اللہ معکم اینما کنتم فاللہ خیر حافظاً وھو ارحم الراحمین

مقالاتِ رحمانی

یا

تذکرہ بزرگاں

فیضانِ

حضرت مرشدنا سیدنا اسد الرحمان صاحب قدسی اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقامہم

مرتبہ

حکیم عبدالعزیز خطیب رحمانی

الناشر

کتب خانہ قلندریہ رحمانیہ

زبیدہ منزل تھرڈ فلور، بلاک ۳۲

کوارٹر نمبر ۳۲۵، لیاقت آباد، کراچی

اللہ معکم اینما کنتم فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین

مقالاتِ رحمانی

یا

تذکرۂ بزرگاں

"فیضان"

حضرت مرشدنا سید اسد الرحمان شاہ صاحب قدسی مدظلہ

مرتبہ

حکیم عبدالعزیز خطیب رحمانی

الناشر

کتب خانہ قلندریہ رحمانیہ زبیدہ منزل تھرڈ فلور
بلاک ۳، کوارٹر نمبر ۳۲۵ لیاقت آباد کراچی

مؤلف ـــــ حکیم عبدالعزیز خطیب رحمانی

ناشر ـــــ مکتبہ رحمانی ۲۳۸/۲۰ بی فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸

کتابت ـــــ عبدالرحیم خوش نویس

تاریخ اشاعت ـ اکتوبر ۱۹۷۵ء

تعداد اشاعت ـ ایک ہزار

قیمت ـــــ تین ۳ روپے

نور آرٹ پریس راولپنڈی

ترتیب مقالاتِ رحمانی

حامداً و مصلیاً

شرفِ انتساب

بحمد اللہ تعالیٰ "مقالاتِ رحمانی" کا یہ مجموعۂ بوقلموں، اپنے آقا و مولا سید و الاتباد، قلندرِ زماں حضرت حبیب الاولیاء مولٰینا و مرشدنا سید ناصر الدین محمد اسد الرحمٰن شاہ صاحب قدسی، اعلی اللہ تعالیٰ مقامھم، کی بارگاہِ اقدس میں عقیدت کے یہ چند پھول پیش کرنے کی نہایت ادب بصد احترام جسارت کرتا ہوں۔

کہ حضرت مرشد کریم کی نگاہِ التفات و دُعاءِ خاص نیز فیضانِ نظر سے یہ ناچیز اس قابل ہو سکا۔

زیادہ ادب، ما و من و دست و دامانِ آلِ رسولؐ

محتاج دعاء و خاکپائے سرزمین پاک مدینہ و نجف

ناچیز حکیم عبد العزیز خطیب رحمانی

کان اللہ تعالیٰ لہٗ

اسلام آباد

۵/۸/۷۴

مدح

در مدح مرشد کریم حضرت سید ناصر الدین محمدؒ اسد الرحمٰن قُدسی شاہ صاحب
علی اللہ تعالیٰ و تقدس مقامھم، آستانۂ مبارک - بھون، (ضلع جہلم)

سیّدی، یا مُرشدی یا راحتِ رُوح و جگر

یا ملجا و ماوائے من، جز تو ندارم چارہ گر

اے سیّدِ والا نسب، اے مظہرِ انوارِ ربّ

اے عارفِ قُدسی لقب، اے مرشدِ والا گہر

جان بر لبم در آمدہ، دل در فراقت خوں شدہ

زار و نزار و خستہ ام، از لطفِ خُود شُویم نگر

اے جسم و جانم شد فدا، نظرِ کرم بہرِ خُدا

از تو ہمی خواہم ضیاء، اے نورِ دل، اے راہبر

از ہجرِ تو نالہ کنم در فرقتت آہے کشم
من مرغِ بے بال و پرم، افتادم در مُلکِ تھر[۱]

بے شک سراپا غفلتم، تاہم غلامِ حضرتم
من کلبِ کوئے مرشدم، بینم نہ درگاہِ دگر

تو مہرِ عالم تاب و من یک ذرہ آوارہ وطن
جُز تو دریں دیرِ کہن، ہرگز ندارم مُستقر

یارب بجاہِ مُصطفےٰ، بخشی حبیبم را شفا
از ہر مرض سازی رہا، واحفظہٗ از سقم و ضرر

یا بد حیاتِ نوحؑ از ربُّ العُلا، ربُّ الوریٰ
فیضانِ او جاری شود، در ہر جہت، در بحر و بر

شاعر نہ ام، این بیتہا در اضطراری گفتہ ام [اضطرار]
حالِ دلِ محزونِ خود، اموزدل کردم سر بہ سر

ہستم عزیزِ بے نوا، گریہ کنم صبح و مسا
یارب بہ فضلِ خود مرا، بنما رُخِ رشکِ قمر

گلزارِ خلیل مقام سماروہ، ضلع تھرپارکر سندھ
سرہندی اکبری

محتاجِ دعا:- عبدالعزیز خطیب ثانی ۲۱ ۵/۳ھ

[۱] تھرپارکر سندھ

منقبت

بہ تقریب جشنِ ولادت حضرت مرشدنا و سیدنا شاہ زادہ قدسی صاحب اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقامھم ۱۲ ر رجب المرجب ۱۳۹۵ھ بمطابق ۲۲ ر جولائی ۱۹۷۵ء آستانہ مبارک ۔۔ بھون ، ضلع جہلم

ہم پہ واجب ہے کریں شکرِ خدا آج کے دن!
اُس نے مُرشد جو کیا ہم کو عطا آج کے دن

عالمِ امر و ازل میں جو ہوئی رحمتِ حق
اس جہاں میں ہوئے تب جلوہ فزا آج کے دن

مرشد برحق و دربارِ نبوت کے غُلام
حامیٔ دین متیں بھیج دیا آج کے دن

ہم غُلاموں کے لیے شفقت شاہ بطحاؐ
مل گئی ہم کو مدینے کی ہوا آج کے دن

سامنے حضرت قدسی[1] کے ہمیں ملتی ہے
نورِ توحید سے معمور فضا آج کے دن

آپ سے ہم کو ملا شاہِ نبوت کا پیام
آ گئی دل میں نبوت کی ضیاء آج کے دن

ان کا سایہ رہے قائم تری رحمت بن کر
اے خدا سن لے غلاموں کی دعا آج کے دن

(بمقام آستانہ مبارک بھون ضلع جہلم)

○

[1] حضرت مرشدنا شاہزادہ قدسی صاحب مدظلہ العالی

تقاریظ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد، مجموعہ "مقالات رحمانی" جس میں سرزمین پاکستان و ہند کے مختلف صوبہ جات کی مشہور بزرگ شخصیتوں کا تذکرہ ہے، مثلاً سندھ کے شاہ لطیف بھٹائیؒ سرحد کے سید رحمکار کاکا صاحبؒ، صوبۂ بہار کے سید شاہ سلیمان پھلواروی، دیوہ ضلع بارہ بنکی کے حاجی وارث علی شاہؒ وغیرہ، نیز مختلف اور متنوع علمی مقالے مثال کے طور پر "ابن طفیل" "ابن دُرید" نیز حضرت امام جعفر الصادقؒ وغیرہم عزیز القدر عبدالعزیز خطیب رحمانی نے بڑی عرق ریزی اور ذاتی علمی شغف سے مرتب کیے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ "مقالات رحمانی" کو شرفِ قبولیت بخشیں اور اہل علم و عوام الناس کے لیے استفادہ کا ذریعہ بنائے۔

ڈاکٹر عبدالواحد
ھالے پوتا ایم۔ اے بمبئی
ڈی۔ فل آکسفورڈ
فاضل علوم الدین: ڈائریکٹر ادارہ
تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۲۷ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ
مطابق ۷ جولائی ۱۹۷۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزی المکرم مولینا حکیم عبدالعزیز خطیب رحمانی۔ کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اکتسابِ علمی کی طرف رجحان ہے اور اہل دل و اہل صفا کے ساتھ خاص عقیدتمندی ہے۔

ان کو حضرت مولینا سید اسد الرحمان شاہ صاحب قدسی مدظلہ العالی، آستانہ بھون، ضلع جہلم سے ارادت حاصل ہے اور ان سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ غالباً انہی کی تربیت کا اثر ہے کہ بزرگانِ دین اور خصوصاً ائمہ شرع متین سے محبت رکھتے ہیں اور اس محبت و خلوص کا اظہار اپنے مضامین کے ذریعے کرتے رہتے ہیں۔

چند بزرگوں کے حالات اور حضرت پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اپنی بعض موزوں تحریریں اور بعض مقالات کو اس مجموعے میں ترتیب دے کر ایک دل پسند گل دستہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو بار آور بنائے اور مزید علمی کاوشوں کی سعادت بخشے۔

مولانا عبدالعزیز خطیب رحمانی سرزمینِ سندھ کے مشہور مقام سکھر کے ایک

علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے جدامجد حضرت مولانا محمد بخش ؒ، والدِ محترم مولانا نور احمد قاسمی، خطیب (فاضل دیوبند)، نیز عم بزرگوار مولانا ابو محمد عبدالرشید (فاضل دیوبند) کی دینی و تدریسی خدمات کے ساتھ خود بھی دین کی خدمت میں ہمہ تن مشغول رہ چکے ہیں۔

مشیت ایزدی سے اپنے بعض قریبی بزرگوں کے علمی اوصاف کے باوجود ان کے ہاتھوں بھی طور پر مظلوم و مصیبت زدہ رہے ہیں۔ بنا بریں ہمیشہ ایثار و بے نفسی کے امتحان سے گزرتے ہوئے عزیز موصوف نے لازمی طور پر رفعتِ قلبی و صفاء ذہنی میں بحمداللہ تعالیٰ ایک بے مثال شخصیت کا ثبوت صرف اپنے خاندان والوں ہی کے لیے نہیں بلکہ اپنے واقف کاروں اور جمیع رفقاء و اقرباء کے لیے بہم پہنچایا ہے۔

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ اپنی رحمتِ کاملہ سے اِن کے علم و عمل سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور خود ان کی صفات میں سعادات و برکات کے ساتھ شادمانی و کامرانی نیز فلاح دارین کی دائمی زیادتی سے مؤلف عزیز کو نوازے۔ آمین ثم آمین!

ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی

سابق ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

اسلام آباد

۳۷ ۱۳ سی، رمنا۔ ۴-۱-۳، اسلام آباد

یوم سہ شنبہ ۷ جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ ہجری

مطابق ۱۷۔ جون ۱۹۷۵ء

جناب عبدالعزیز خطیب رحمانی صاحب کو اپنے بزرگوں کی طرح علم کا شوق

اور دین سے شغف ہے۔

اور شوق کی یہ قوت ہے کہ

ع شوقِ دل برہمن شُد رونقِ صنم ہا

انھوں نے بزرگوں کے احوال پر مضامین لکھے، اور اس کا مجموعہ شائع

کر رہے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اسے قبولیت عطا ہو، اور ناظرین کو اس سے فائدہ

پہنچے۔

سید عبدالقدوس ہاشمی

لائبریرین ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

اسلام آباد

۱۸/۶/۷۵

اگرچہ جناب عبدالعزیز خطیب رحمانی صاحب اور میری شناسائی کی مدت تقریباً دو ڈھائی سال سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن اس کم مدت میں ان سے غیر معمولی ارادت ہے جو ان کو حضرت رسول کریم ص و حضرات اہل بیت طاہرین علیہم السلام سے ہے۔ اس ارادت کی جیتی جاگتی مثال اور زندہ برہان ان کی یہ کتاب "مقالاتِ رحمانی" ہے جس کے ہر صفحہ سے ان کی محبت رسول ص اور اہلِ بیتِ اطہار صلوات اللہ علیہم واضح و لائح ہے۔ انھوں نے اس ارادت کا نظم و نثر دونوں میں اظہار فرمایا ہے۔

میں جناب رحمانی صاحب کی مزید توفیق کے لیے درگاہِ خداوندِ متعال میں دست بہ دعا ہوں۔ اُمید ہے کہ عرفان و ہدایت کے مشتاقین مؤلفِ محترم کی کماحقہ تقدیر و تقدیم و تشویق فرمائیں گے۔ والسلام

احقر العباد: ڈاکٹر سید علی رضا نقوی
ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
مدیر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی
اسلام آباد

حضرتِ سیّد رئیس امروہوی مدظلہٗ

قطعہ

مشتِ خاکِ بشر سہی فانی　　جاودانی ہے روحِ انسانی
وجہِ عزت ہے، خطبۂ رحمت!　　اے عزیز اے خطیب رحمانی

مقام میرپور خاص (سندھ)

۲۷ ر ۱۹۶۸ء

نوٹ:۔ مستقبل قریب میں زیرِ طبع "مقالاتِ رحمانی" کے لیے پیشگی خاص عطیۂ تقریظ، بفضلہ تعالیٰ یہ مجموعہ ۱۹۷۵ء / ۶ / ۲۰، اتنے عرصۂ دراز کے بعد مادی بے سروسامانی کے سبب طبع نہ ہو سکا۔ مخدوم محترم امروہوی صاحب قبلہ کا سرہونِ منت اور ممنون ہوں اور معذرت حضرت سید شبیر بخاری صاحب مدظلہ، کے ایک الہامی شعر پہ کہتا ہوں۔ کہ ؎

آج ہر گام پہ ہر سمت صف آرا ہیں یزید!
المدد اسوۂ شبیرؑ، ابھی میں زندہ ہوں

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قارئین کرام یہ مجموعۂ مقالاتِ رحمانی یعنی تذکرۂ بزرگانِ دین میری غیر اختیاری وارداتِ قلبی کا ایک معمولی سا خاکہ ہے ـــــ سوچتا ہوں! یہ اوراق پریشاں اور خیالاتِ پراگندہ جن اصحابِ نظر اور اہلِ علم کے مطالعہ میں آئیں گے وہ ان سے کیا حاصل کریں گے؟

ـــــ یہ مضامین اور مختلف مقالے میں نے کیوں لکھے! کس کے لیے لکھے! یا پھر کس نے لکھوائے! کیوں کر یہ دعویٰ کروں کہ میری یہ تحریریں خونِ جگر سے لکھی ہوئی ہیں! یہ متاعِ عزیز ہیں جنھیں بظاہر لفظوں کے جواہر میں بکھیر دیے ہیں کہ ان باتوں کی دلیل بھی تو نہیں لا سکتا!!

جہاں تک معارف و حقائق سے آگہی کا تعلق ہے تو اس کا دعویٰ کیوں کر ممکن ہے؟ کہ اپنا جیب و دامن علم و ہنر سے خالی ہے۔ علم و تقویٰ کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کا خیال تو ع

سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں!

لطف کی بات یہ ہے کہ کبھی کالج سے یونیورسٹی تک اور مشہور جامعات تک احساسِ نارسائی یا بے سروسامانی نے پہنچنے نہ دیا، دُوسرے الفاظ میں ؏

نہ قاضیم نہ مدرس نہ محتسب نہ فقیہ

ابتداءِ شعور سے جس خاندان میں آنکھیں کھولیں بحمد اللہ تعالیٰ خاندانی ماحول "تخلقوا باخلاق اللّٰہ" اور صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ" نیز ایمان باللہ اور عمل صالح کی سعادت سے فضا معتبر و معطر تھی۔

بچپن میں دینی تعلیم قرآن و حدیث اپنے جدِ امجد (حضرت مولانا محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ) والدِ ماجد (مولانا نور احمد قاسمی خطیب) عمِ محترم (مولانا ابو محمد عبدالرشید فاضل دیوبند)، نیز والدہ ماجدہ محترمہ رابعہ بصریہ مدظلہا سے حاصل کی۔ ہندوستان کے جامعہ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور سے ان بزرگوں نے اکتساب علمی کیا اور اپنے علمی سایے میں احقر کو لیا۔ اکبر الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے علمی مرکزوں کے بارے میں رطب اللسان ہیں۔ ؎

ہے دل روشن مثال دیوبند	اور ندوہ ہے زبانِ ہوشمند!
اور علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ لو؟	اِک مقدس پیٹ بس اس کو کہو!!

چنانچہ ابتدائی اور ثانوی دینی تعلیم کے بعد حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ مظہر العلوم، کراچی سے دورۂ حدیث و تفسیر کی سند فضیلت حاصل کی، اس کے بعد جامعہ عباسیہ بہاول پور کے شعبہ طب سے فنِ طب کی تکمیل کی، سرزمینِ پاکستان کی سابق ریاست بہاول پور گیا تھا تو "دانشِ برہانی" سیکھنے کو! لیکن حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے عالمِ غیب سے اِس

عزیز بے نوا کی عزت افزائی فرمائی اور "دانشِ نورانی" سے بھی نوازا۔

بہاول پور کے زمانۂ طالب علمی میں حضرت مولانا و سیدنا و مرشدنا السید ناصر الدین محمد اسد الرحمٰن قدسی شاہ صاحب مدظلہ العالی بہاول پور تشریف لائے تو

میری عمر تقریباً ۲۳ سال تھی۔ ذہنی اور جسمانی طور پر فصلِ بہار سے گزر رہا تھا! لیکن معنوی اور روحانی طور پر سراپا خزاں تھا ــــــ

کفیٰ باللہ شہیداً کہ حضرتِ ممدوح کی خاص نگاہِ التفات اور نگاہِ کرم سے تقدیر تو نہیں بدلی (کہ لا تبدیل لکلمات اللہ تعالیٰ) البتہ عاقبت سنور گئی گویا ربِ کعبہ نے اپنے حبیب حضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر اختیاری محبت اور اہل بیت کے احترام و ادب کی دولت سے مالا مال فرما دیا، فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ احسانہٖ ــــــ

حضرت مرشدنا و سیدنا قلندر الزماں شاہزادہ قدسی اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقامھم، کی ذاتِ والا صفات کی بے پایاں عنایات اور غیر معمولی شفقتوں کا شکریہ ادا کرنے کی تاب کہاں؟

یہ چند مقالات حضور مرشدنا الکریم مدظلہ العالی کے فیضانِ نظر کا ثمرہ اپنی سراپا غفلت و معصیت زندگی کے باوجود ایک ادنیٰ تجربہ ہے جس کے اظہار کی جرأت کی گئی ہے۔

درویشانِ خدا مست اولیاء الرحمٰن کا ذکرِ خیر اہل علم و فضل کی کتابوں، مختلف معتمد علیہ رسالوں سے اخذ و ترجمہ کر کے اہل دل حضرات کی نشاطِ طبع و

روحانی بالیدگی کے لیے یہ مجموعہ تیار کیا گیا ہے تاکہ خدائے بزرگ و برتر اور ان کے پیارے رسول حضرت سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی و رضا نیز اتباع و قرب کا وسیلہ بنے۔

دلم نالد! چرا نالد، نہ داند نگاہ ہے یا رسول اللہ نگاہ ہے!

مولائے کریم کارساز اور مشکل کشا حقیقی اس مجموعی تذکرہ کو شرف قبولیت بخشے اور میرے لیے نیز میرے مشائخ، اساتذہ اور والدین اور جمیع متعلقین کے لیے حشر کے دن مغفرت و رحمت نیز شفاعت کا سبب بنائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم٥

طالب دعا و داعی الخیر

فقیر حکیم عبد العزیز خطیب حمانی کان اللہ لہ،

"دار الشفاء رحمانی" احمد پور لمہ

تحصیل صادق آباد

ضلع رحیم یار خان

۲۰-۵-۷۵

نعت

محمدؐ مظہرِ نورِ خدا ہیں
محمدؐ مصدرِ رشد و ہدیٰ ہیں

محمدؐ مخزنِ جود و سخا ہیں
محمدؐ معدنِ حلم و حیا ہیں

محمدؐ وجۂ تخلیق دو عالم
محمدؐ باعثِ ارض و سما ہیں

محمدؐ فخرِ موجوداتِ عالم
محمدؐ خواجۂ ہر دو سرا ہیں

دوائے دردمنداں ہیں محمدؐ
وہی تسکینِ دردِ لا دوا ہیں

اُنہی کی ذات ہے مقصودِ کونین
وہی مولائے کُل خیر الوریٰ ہیں

ہمیں مشکل میں کوئی غم نہیں ہے
حبیبِ کبریا مشکل کشا ہیں

نعت

نسلِ آدمؑ میں باوقار ہیں آپؐ
آدمیت کا افتخار ہیں آپؐ

باغِ ہستی میں آپؐ کیا کیا ہیں
گل سرسبد ہیں، بہار ہیں آپؐ

دردمندوں کے، بے نواؤں کے
چارہ گر، یار غم گسار ہیں آپؐ

جلوتِ خلق کے ہیں آپؐ امین
خلوتِ حق کے رازدار ہیں آپؐ

ناتوانوں کے، بے سہاروں کے
ہر دو عالم میں پاسدار ہیں آپؐ

چشمِ صدیقؓ سے کوئی دیکھے
کتنے ہمدردِ یارِ غار ہیں آپؐ

ہیں شکستہ دلوں کی آپؐ پناہ
اُجڑے گلزار کی بہار ہیں آپؐ

وجہِ تسکینِ درد آپؐ کی ذات
قلبِ بیتاب کا قرار ہیں آپؐ

وجہِ عزت ہے آپؐ سے نسبت!
صنعِ قدرت کا شاہکار ہیں آپؐ

نامِ احمدؐ ہے بس متاعِ عزیزؔ
سب کے آقائے نامدار ہیں آپؐ

(مطبوعہ فیض الاسلام، اکتوبر ۷۳ء)

ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

سیرتِ مقدسہ کا یہ مجموعہ، حیاتِ طیبہ کا یہ سرچشمہ جس میں سرورِ کائنات رنگ و بُوئے فخرِ موجودات ہمہ عالم، نورِ مجسم، سیدالعرب والعجم سیدنا و مولانا رحمتِ عالم، حضور اکرم امام الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ خیر مبارک اور مقدس ہے ؂

ذکرِ حبیبؐ کم نہیں وصلِ حبیبؐ سے!

جہاں اپنے لیے موجبِ خیر و سعادت ہے اور بروزِ آخرت کے لیے وسیلۂ شفاعت کا باعث امیدِ رحمت ہے۔

؂ نسبت بہت اچھی ہے گر حال بُرا ہے

اس مختصر سیرتِ نبویؐ کا انتساب اپنے، ہمارے سرکار قبلہ حضرت مرشدنا و مخدومنا سید اسد الرحمان صاحب القدسی اعلیٰ اللہ مقامھم۔ (آستانۂ عالیہ قلندریہ، شاذلیہ۔ بھوپال) حال "آستانۂ قدسی" بھون شریف تحصیل چکوال ضلع جہلم، پاکستان۔

کی بارگاہِ قلندرانہ میں نہایت ادب و احترام سے تہہ دل سے پیش و نذر کرتا ہوں

ع۔ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

نیز ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاک پائے تنگ بزرگان و درویشان خدا است!

فقیر عبدالعزیز کان اللہ لہٗ

۳۱ - ۱ - ۶۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی النبی الامی محمدؐ الرسول وعلی آلہ واصحابہٖ

(۳۱ - ۱ - ۶۸ الحق) خوشا مدرسہ و خوشا خانقاہے کہ دروے بود قیل و قال محمد! ہمارے آقا و مولانا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ددھیالی سلسلۂ نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بالتحقیق مل جاتا ہے۔

سراپا نور حضور سیدنا محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب آں حضور صلی اللہ علیہ کا ننھیالی سلسلۂ نسب بھی کلاب پر پہنچ کر باہم مل جاتا ہے۔

ولادت ۱۲ ربیع الاول عام الفیل روز دو شنبہ مطابق ۲۰ - اپریل ۵۷۱ء کو مکہ معظمہ میں ہوئی مؤرخین کے نزدیک مشہور روایت یہی ہے۔

ہنوز آدم بہ شکل آب و گل بود
ترا از نور یزداں آفریدند! (مظہرالدین)

تربیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں بظاہر مادی بے سروسامانی اور یتیمی کی حالت میں پرورش پائی کیونکہ آپؐ کے والدِ ماجد آپؐ کی ولادت مقدس سے ۲ ماہ قبل ہی رحلت فرما گئے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک لونڈی پانچ اونٹ چند بھیڑیں ترکہ میں چھوڑیں۔ اور جب چھ برس کی عمر عزیز ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ بمقام "ابواء" میں انتقال فرما گئیں، تو جنابہ ام ایمن نے آپؐ کی پرورش کی اور دادا جان جناب عبد المطلب نے اپنی آغوشِ شفقت میں لے لیا۔"

دادا نے ۱۴۰ برس کی عمر میں وفات پائی اس کے بعد آپؐ کے چچا جان جناب ابوطالب نے آپ کو اپنے دامنِ تربیت میں لیا، اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی مصلحت و حکمت تھی کہ آپ کو بظاہر "امی" رکھا گیا۔

زینت ازل کی ہے تو، ہے رونق ابد کی تو
دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب (ظفر علی خاں)

سفر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۱۲ برس ہوئی تو آپؐ نے اپنے چچا کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا۔ بمقام بصریٰ تیما کے ایک یہودی راہب بحیرا نامی نے آپ کے چہرۂ انور سے ایک خاص امتیاز، غیر معمولی شان اور معصوم ادا محسوس کر کے ابوطالب سے کہا :- آپ کے بھتیجا کا مستقبل شاندار ہے ان کا خوب احترام کریں اور ادب!

جب آپؐ کی عمر طبعی ۲۵ برس کی ہوئی تو آپؐ نے حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کو اپنے ہمراہ لیا اور سفر فرمایا۔ اسی سفر میں

نسطورا نصرانی نے آپ کے روئے مبارک کو دیکھ کر شہادت دی کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی ہیں، مالِ تجارت فروخت کر کے پھر مکہ حرم شریف کرم فرما ہوتے۔

نکاح اس سفر کے دو ماہ بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ بنت خویلد سے جن کی عمر ۴۰ سال تھی عقد فرمالیا، جب کہ موصوفہ بیوہ تھیں۔

آپؐ کی ذات اقدس، صدق وصفا تسلیم ورضا نیز مہر ووفا کی کامل منظہر تھی، آپؐ سرزمین عرب میں "الامین الصادق" کے لقب سے مشہور و نامور تھے۔ آپؐ اُمّی تھے اور کسی مدرسہ وکتاب سے فیض یاب نہیں ہوئے، قوم کی علمی وفنی سطح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب پوری قوم خود اخلاقی گراوٹ اور تخریبی ذہنیت کا شکار تھی۔

لہٰذا آپؐ میں یہ بلند مقام و بے داغ اخلاق فطری تھا۔

حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری

بعثت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فریضۂ رسالت ۴۰ سال کی عمر میں (جب کہ قوائے طبعی کے توازن و اعتدال کا دور ہوتا ہے) ادا کرنے کی عظیم الشان ذمہ داری سپرد ہوئی۔ آپؐ غارِ حرا میں مشغول عبادت و سرگرم ریاضت تھے۔ رویائے صادقہ کے ساتھ ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی الٰہی لے کر نازل ہوئے۔

تلقین ودعوت عرب وعجم کی عام حالت ناگفتہ بہ تھی۔ خصوصاً آپؐ

نے عرب کے باشندوں، باسیوں کو اور عموماً تمام عالمِ انسانیت کو دینِ فطرت کی دعوت دی اور آباؤ اجداد کے غلط، مہمل رسوم و رواج، توہم پرستی اور جاہلیت قدیمہ کی روایات اور خرافات سے احتراز کنارہ کشی کا عملی ذوق ابھارا، استعماری اور سرمایہ دارانہ نظام کی پیدا کردہ خرابیوں اور تباہیوں سے اُنھیں باخبر کیا اور محمود و ایاز کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔

بندہ و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے (اقبال)

السابقون الاولون سب سے پہلے اسلام کا نظریۂ زندگی اپنانے والے مردوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، بچوں میں حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ پھر تدریجاً شمع رسالت کے پروانوں، اہل بیت کے غلاموں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اُن کو پسند کر کے دو عالم میں ناپسند
اتنا بلند سب کا مذاقِ نظر کہاں!

مصائب آپؐ کی قوم آپؐ کی دعوت رشد و ہدایت کا جواب پتھروں سے دیتی، راہ گذر میں کانٹے بچھاتی، یہاں تک کہ آپ کے اوپر نجاست پھینکتی، ؎

زمانہ یُونہی اپنے محسنوں کو تنگ کرتا ہے
وہ درسِ صلح دیتے ہیں یہ اُن سے جنگ کرتا ہے (حفیظ جالندھری)

لیکن آپ صبر و استقلال، عزم و استقامت کے ساتھ مصیبتوں اور شدائد کا تحمل و برداشت فرماتے، حتیٰ کہ آپ کے قتل کا ارادہ کر لیا گیا، لیکن اس کے

باوصف آپ اپنے مقصد مقدس دعوت و تلقین میں مصروف رہے۔

قلم را آں زباں نبود کہ سر عشق گوید باز
ورائے حد تقریر است شرح آرزو مندی

ہجرت

بعثت کے ۵ سال بعد جب آپ کے متبعین پیروکاروں پر بھی ظلم و تعدی خوب بڑھ چڑھ کر ہونے لگی۔ تو آپ نے اُن کی حبشہ کی طرف ہجرت کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ۱۰ جواں بختوں اور ۵ پاک دامنوں نے حضرت جعفرؓ کی قیادت میں ہجرت کی پھر ۳ ماہ کے بعد یہ لوگ واپس چلے آئے اور خوش بخت نجاشی (شاہ حبشہ) مشرف بہ اسلام ہوا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

محاصرہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے باوجود اب تک مومنوں کی مادی قوت کمزور تھی۔ یہ ۴۰ مرد ۱۱ عورتیں تھیں جب کہ اسلام کی اشاعت و تدریج اکثر قبائل عرب میں پھیل گئی تھی، قریش حواس باختہ ہوئے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان بنی ہاشم کو ایک گھاٹی میں محصور کر دیا، تعلقات منقطع کر لیے گئے یہ ۷ھ کا سانحہ ہے! انسانیت کے دشمن کس ذات گرامی سے یہ سلوک کر رہے تھے جو

مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا (حالی)

سو سال دشوار گذار مرحلوں کو طے کرنے کے بعد مولائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم ۱۰ھ میں نقضِ معاہدہ کے بعد حصار سے نکلے۔

طائف ابو طالب اپنی خاندانی روایات، برادری کے رسوم و قیود اور طعنہ زنی کے اندیشہ اور ڈر سے اسلام نہیں لائے اُن کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا، سرکشوں اور مخالفین کے حوصلے بلند ہوگئے (ایذا رسانی، تکلیف دہی اور بے ادبی میں نہایت سرگرم و مشہور مندرجہ ذیل لوگ ہیں)۔

۱- ابو لہب، ۲- ابو جہل، ۳- عاصی بن ہشام، ۴- ولید بن عتبہ، ۵- شیبہ بن ربیعہ، ۶- اور ابو البختری وغیرہ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے طائف کی طرف ہجرت فرمائی - ایک مہینہ سکونت فرمائی - بنی ثقیف کو دعوت دی بدبختوں نے انکار کر دیا بر عکس بہت سخت تکلیفیں، اذیتیں دیں حتیٰ کہ پتھراؤ سے آپ کے نعلین مبارک (قدم مبارک) لہو لہان زخمی کر دیئے گئے جسدِ اطہر مضمحل ہوگیا لیکن ؎

وہ دانائے سُبل، مولائے کل، ختم الرسلین جس نے
غبارِ راہ کو بخشا، فروغِ وادیٔ سینا!
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یاسیں وہی طٰہٰ! (اقبالؒ)

سراپا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کیف و کم کی حالت میں فرمایا "اے رب! انھیں بصیرت دے تاکہ مجھ اپنے "محسن و کریم" کو پہچان لیں۔

؎ اک نظر! اے شہ ذیشان مدینہ والے

کہ ہر اک درد کا درماں، تیری ذات کریم!

اشاعتِ اسلام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۱ھ میں عرب قبائل کے سامنے دینِ حنیف کو پیش کیا۔ کچھ نے انکار کیا اور بعض نے قبول کر لیا۔ ۱۲ھ میں مدینہ منورہ کے ۱۲۔ اشخاص نے اسلام قبول کیا۔ ۱۳ھ میں ۷۰ مردوں اور ۲ عورتوں نے اپنے آپ کو خدا پرستی اور نیکوکاری کے سانچے میں ڈھال دیا۔ چنانچہ لحہ بہ لمحہ اشاعتِ اسلام کو غیر معمولی فروغ ہونے لگا، اور عام مقبولیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

ہجرت مدینۃ النبیؐ مدینہ رسالت کے نور و فیضان سے منور ہو چکا تھا، لیکن ابھی مکہ مکرمہ میں بے سروسامان بے مایہ اور بے نوا مسلمانوں پر کفارِ مکہ جور و جفا نیز ستم کر رہے تھے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر اختیاری طور پر تمام رفقاء و صحابہ کو ہجرت کا حکم صادر فرمایا، اور وہ دانش مندی و خفیہ تدابیر سے ہجرت کرنے لگے جب منکرینِ حق کو مومنین کے اس قصد کے ارادہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے (نعوذ باللہ تعالیٰ) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا عہد کر لیا، لیکن آپ نے حضرت ابوبکر کی معیت میں مکہ سے نکل کر غارِ ثور میں جا کر قیام فرمایا، قریش نے تلاش و جستجو کی انتہائی کوشش کی لیکن نامراد رہے ۳ دن کے بعد آپ غار سے نکلے اور قبا تشریف فرما ہوئے۔

خطبہ قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز قیام فرمایا، وہاں مسجد کی (اسلام کی اوّلین مسجد) بنیاد استوار کی وادئ بنی سالم میں آپ نے

شہر بحرین، شہر عمان، شہر یمامہ وغیرہ سوائے عمان اور بحرین کے کوئی بھی ایمان
(سلطان و میر) نہیں لایا۔

فتح مکہ ؁

۸ھ میں ۱۰ ہزار مسلمانوں کا لشکر، کفار قریش کی ستم رانیوں جور ستانیوں
کے قلع قمع کے لیے نکلا، حضرت خالد بن ولید مکہ کی بالائی جانب سے
حملہ آور ہوئے۔ ۲۸ نوجوانانِ قریش نے اپنی جان "لات و منات" کی بھینٹ
چڑھائی اور قتل ہوئے۔

مطمئن رہو

انسانی تاریخ عالم کے ہر عہد، دور میں خیر و شر کے متعدد معرکے
ظہور پذیر ہوئے ہیں اور جب بھی فاتح و غالب، جبر و استبداد
کے پیکر اور آمر و حکمرانوں نے فتح و غلبہ، کمزور، پس ماندہ ملکوں اور قوموں پر
تسلط حاصل کیا ہے تو تاریخ کے اوراق برملا گواہ ہیں کہ انھوں نے اپنے ادعا و
پندار اور نشۂ اقتدار و حکومت میں بدمست و مدہوش ہو کر غارت گری و
خون ریزی بلا کم و کاست، کھلے بندوں تخریبی فتنہ و فساد اور اپنے ناپاک عزائم
ہوس ملک گیری اور استعماریت کا خوب خوب مظاہرہ کیا ہے۔

لیکن سرور کائنات رنگ و بو صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد
سراپا لطف و کرم، مجسم بے پایاں رحمتِ عالم بن کر اعلان عام فرمایا کہ:-

"میں کوئی آمریت کا دلدادہ، صاحب حرص و آز شہنشاہ نہیں اور
سرمایہ دار نہیں ہوں میں تو خاندان قریش کا ایک فرد ہوں جو عام انسانوں کے
مانند عدل و مساوات کا علمبردار ہے لہذا تم مجھ سے کسی قسم کا خوف و اندیشہ
نہ کرو اور مطمئن رہو۔

(۱۳ سالہ مکہ مکرمہ کی آپ کی پاکیزہ بے داغ و اعلیٰ اخلاقی قدروں کی حامل و جامع اپنی زندگی تمہارے لیے مشعلِ راہ ہے)

نہیں ہے خمیر اُس کا دُنیائے دُوں سے
کوئی کہہ رہا تھا، یہ رُوحِ خدا سے" (عبدالعزیز خالد)

جہاد و غزوہ

جنگ اور جہاد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی، جارحانہ حملے کا نام ہے اور جہاد مدافعانہ جوابی ردِ عمل ہے، یہ سراسر آج کل کے مغربی مستشرقین مؤرخوں کا زعم باطل ہے کہ اسلام کا نظریۂ حیات قوت و جبر، تیر، و تفنگ اور دشنہ و خنجر کے ساتھ تلوار کے زور سے پھلا پھولا ہے، دراصل آپ کا خلقِ عظیم اور اسوۂ حسنہ وہ معجزہ تھا اور وہ غیر معمولی مقناطیسی جاذبیت تھی جس نے حبش سے بلالؓ کو روم سے صہیبؓ کو اور ایران سے سلمانؓ کو نیز ان قدسیہ کے علاوہ قبائلی اور اقوام کے سربراہوں، حکمرانوں اور بادشاہوں مثلاً دمشق و شام، مصر و سوڈان بحرین و عمان، حبشہ و یمامہ اور روم و بصریٰ و فارس میں سے صرف بحرین و عمان کے سلاطین مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تاہم آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت و تلقین کا ہمہ گیری حق پرستی کا نظامِ حیات سبھی عالمِ انسانیت کے نمائندوں تک پہنچا دیا۔ یہ ہماری تاریخ آدمیت کی بہت بڑی بدنصیبی بدبختی ہے کہ جو نظریۂ زندگی، ضابطۂ حیات اسلام نے دیا۔ وہ بادشاہوں سرمایہ داروں، امیروں، رئیسوں، نوابوں وڈیروں، کارخانہ داروں اور زمینداروں کے "مزاجِ نازک" کے راس نہیں آیا۔ اور متوسط طبقہ

غریب ونادار، مزدور و کاشت کار، ہاری، یتیم، بیوگان اور بے سروسامان مظلوم طبقہ نے اس کا خیر مقدم اور استقبال کیا، بقول اقبال

چیست قرآں خواجہ را پیغام مرگ
چارۂ سازِ بندۂ بے ساز و برگ!

۸ھ میں غزوۂ حنین، غزوۂ طائف اور غزوہ تبوک ۹ھ میں واقع ہوئے۔

حجۃ الوداع ہجرت کے بعد ۱۰ھ میں آپ نے آخری فریضہ حج ادا فرمایا مختلف ممالک، علاقوں اور چند قبائل کے علاوہ آپ کے ساتھ تقریباً ایک لاکھ چودہ ہزار مسلمانانِ عالم ساتھ تھے، اسلام کی اشاعت کی وسعت و ترقی کا اندازہ اسی سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

آخری خطبہ حجۃ الوداع کا خلاصہ "جاہلیت کے تمام رسوم و رواج جو تمہارے آباؤ اجداد میں رائج تھے وہ آج سے ختم کیے جاتے ہیں، تم کو کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی زندگی (انفرادی خواہ اجتماعی) بسر کرنا ہے، نیز آج میں نے تمہارے دینِ اسلام کو مکمل و جامع کر دیا، اب کسی بھی نبی اور رسول ہدی و مقتدا، راہنما و پیشوا کی ہرگز ضرورت نہیں اور نہ ہی گنجائش! گویا بقول مرشدنا قدسی صاحب مدظلہ،

نہ مجھے دعا سے مطلب، نہ فغاں سے کام قدسی
غمِ دل دیا ہے جس نے، وہی غم گسار ہوگا

پس میں تمہیں انصار اور مہاجرین (خطاب عام ہے تمام انسانیت سے) کو خیر خواہانہ و ہمدردانہ نصیحت کرتا ہوں کہ باہمی یگانگت و خلوص و محبت سے زندگی بسر کرنا۔“

؎ ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوعِ انساں کو
اخوت کی زباں ہو جا، محبت کا بیاں ہو جا

آخری لمحات

۱۳ ربیع الاوّل کو طبع مبارک، ناساز بظاہری علالت، مادی مرض ہو گئی۔ دو شنبہ کے دن آپ کی نگاہ فیضان و کرم ملاء اعلیٰ کی جانب توجہ فرما ہوئی۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رض کے حجرہ مبارکہ میں جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے احمد اور احد میں میم کا حجاب اٹھ گیا اور آپ کی رُوح اپنے ربّ کعبہ کے جہتوں میں جا پہنچی، اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، زیادہ کیا عرض کروں۔ (اللّٰھم صلی و سلّم علیہ و علیٰ آلہ بقدر حسنہ و جمالہ)

؎ جہاں عشق بھی سجدہ میں جہاں حسن بھی ہے نیاز میں
اسی بارگاہ جمال کا میں ہوں ایک ادنیٰ غلام بھی

الفقیر خطیب رحمانی کان اللہ لہٗ

۳۰-۱-۶۸

حضرت امام جعفر صادقؓ

اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ اسلام، ایمان اور احسان (تصوف) کا سرچشمہ جناب رسول و جناب آلِ رسولؐ ہے۔ کتاب اللہ قرآنِ حکیم اور عترت و اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت نیز ادب عین ثمرۂ ایمان، اذعان و ایقان ہے۔

خانوادۂ رسول کی گل سرسبد جناب امام جعفر الصادق علیہ السلام کی تاریخ ۱۷ ماہ ربیع الاوّل ۸۰ ہجری ہے۔ مطابق ۲۴ مئی ۶۹۹ء ہے۔ تاہم مؤرخین نے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ لیکن اصح تاریخ ولادت یہی ہے۔ آپ کے والد گرامی قدر حضرت امام محمد الباقر ابن علی زین العابدین، بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہیں اور آپ کی والدہ ماجدہ ام فروہ بن القاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں۔

آپ کا قد درمیانہ مائل بہ فربہی تھا۔ بال بہت سیاہ، نازک اور گھونگریالے تھے۔ ناک دراز باریک، اس کی استخواں قدرے درمیان میں سے ابھری ہوئی سر کے آگے کے بال نہ تھے۔ رخسار پر خال سیاہ، جسم مبارک پر دو دو ذرے سرخی کے

تھے۔ ریش پاک گھنی اور مدور تھی۔ لبیں زیادہ لیتے تھے۔ رنگ گندم گوں تھا۔ ریش و بروت پر حنا و مہندی کا خضاب کرتے تھے۔ آپ نفیس لباس زیب تن فرماتے۔ خوش بُو پسند فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ زینت اور طیبات رزق تو خدائے بزرگ و برتر کی نعمت ہیں۔ خُدا چاہتا ہے کہ جب میں اپنا فضل کسی پر کروں اس کو چاہیے کہ وہ اس کو ظاہر کرے۔ چنانچہ حافظ نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام غربا و مساکین کو اتنا کھلاتے تھے کہ بسا اوقات اُن کے عیال کے لیے باقی نہیں رہتا تھا۔

حضرت سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ نہایت قیمتی عبا اور رداء پہنے ہوئے ہیں۔ میں تعجب سے اُن کی طرف دیکھنے لگا۔ آپ نے فرمایا، کہ اے ثوری کیا دیکھتے ہو، شاید اس لباس سے تم کو تعجب ہوتا ہے یا ابن رسول اللہ یہ لباس آپ کے لیے مناسب نہیں، اور نہ یہ آپ کے آباؤ و اجداد کا لباس تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ثوری وہ زمانہ غربت و ناداری کا تھا اور اس کے مطابق ہمارے بزرگ عمل کرتے تھے۔ اب زمانہ فراخی کا آگیا ہے اور ہر ایک شے عمدہ ہو گئی ہے۔ پھر آپ نے اُوپر کے جُبہ کو اُٹھایا تو اندر نہایت معمولی اور سخت لباس تھا۔ پھر فرمایا اے ثوری یہ اندر کا لباس ہم نے خُدا کے لیے پہنا ہے اس کو ہم نے خفیہ رکھا ہے جو تمھارے لیے تھا اس کو ہم نے ظاہر کیا۔

الغرض حضرت امام جعفر صادق ذو نفیس طبیعت خوش پوشاک "امانت کے رکھنے والے عبادت میں خشوع و خضوع میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ عزلت و خلوت کو پسند کرتے۔ شان و شوکت اور کروفر سے نفرت تھی (بحوالہ حلیۃ الاولیاء جلد ثالث صفحہ ۲۹۱)۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی رح اپنی کتاب الملل والنحل صفحہ ۵۲۱ مطبوعہ بمبئی ک
میں امام موصوف کے متعلق لکھتے ہیں "کہ امام جعفر صادق دین و حکمت میں کامل و کثیر
علم و فضل رکھتے تھے۔ زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے۔ خواہشات نفسانی سے
پرہیز کلی حاصل تھا۔ مدت تک مدینہ منورہ میں رہے وہاں آپ کی تعلیم سے
آپ کے عقیدت مند مستفیض ہوتے تھے۔ آپ کے پاس بہت سے علوم
کے اسرار و رموز تھے۔ پھر آپ عراق تشریف لے آئے اور مدت تک وہاں رہے
آپ کو حکومت سے کچھ تعرض نہ تھا اور نہ خلافت سے کچھ سروکار تھا۔ کیونکہ
جو بحر معرفت میں غرق ہو جاتا ہے اُسے چھوٹے چھوٹے دریاؤں کے کنارے
کی پرواہ نہیں رہتی اور جو کنگرہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اسے گرنے کا ڈر نہیں ہوتا،
یہ سچ کہا گیا ہے کہ جس نے خدا سے انس پکڑا تو وہ لوگوں سے وحشت کرنے لگتا
ہے اور جس نے غیر خدا سے اُنس پکڑا اس کو وسواس اور وہم غارت کر دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق کی صرف ایک بیوی تھیں۔ جن کا نام فاطمہ
تھا جن کے بطن مبارک سے اسماعیل، عبداللہ اور ام فروہ پیدا ہوئے باقی
۵ لڑکے اور دو لڑکیاں حمیدہ بربریہ اور ایک کنیز سے پیدا ہوئے۔

امام ممدوح نے تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں رحلت فرمائی، ائمہ اہل بیت
میں سے اتنی عمر کسی نے نہیں پائی۔ منصور عباسی خلیفہ کے ہاتھوں انگوروں
میں زہر دے کر شہید کیے گئے اور جنتہ البقیع میں اپنے والد ماجد امام محمد باقر
کے پاس دفن ہوئے۔ آپ کا سنِ وفات ۱۴۸ھ مطابق ۷۶۵ء ہے۔

آپ انگوٹھی پہننا بھی پسند فرماتے تھے اور اللہ خالق کل شئی، انگوٹھی کا

خاص نقش ہوا کرتا تھا، آپ کے خادم خاص مفضل بن عمر اور محمد بن سنان ہیں، آپ کے شاعران بارگاہ الکمیت، الحمیری، العبدی وغیرہ ہیں۔

حضرت امام محمد باقر سے روایت ہے کہ امام موصوف نے جابر الجعفی کو یہ وصیت فرمائی امام ممدوح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے والدِ گرامی تھے، اس لیے ہم آخر مقالہ میں اُن کے وصایا اور ارشادات گرامی لکھتے ہیں، جب تمام لوگوں کے بُرا کہنے سے تو رنجیدہ نہ ہو اور تمام لوگوں کے اچھا کہنے سے تو مسرور نہ ہو تو ہمارا دوست ہے مومن وہ ہے جو اپنے نفس سے مجاہدہ کرے اگر تجھ کو جھٹلائیں تو غصہ نہ کر اگر تیری مذمت کریں تو مت گھبرا مومن جتنا خدا سے ڈرے گا اتنی ہی اُس کی بصیرت اور معرفت بڑھے گی اپنے امور کو خدا کی طرف تفویض کر کے راحت نفس حاصل کرو دنیا میں اپنی اُمیدیں کم رکھو کوئی شرف بلند ہمتی سے بہتر نہیں ہے۔ کوئی نعمت عافیت سے بہتر نہیں ہے۔

مطبوعہ "تاج"، کراچی

اپریل ۱۹۷۳ء
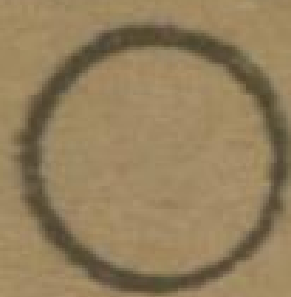
ابنِ طفیلؒ

ابوبکر محمد بن عبدالملک بن محمد بن محمد بن طفیل القیسی، گیارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں غرناطہ شہر کے شمال مشرق کی طرف ایک چھوٹے سے گاؤں "وادیٔ آش" میں پیدا ہوئے۔ اِن کی ولادت ابن رشد سے تقریباً پندرہ بیس سال قبل ۴۹۴ھ اور ۵۰۴ھ کے درمیان ہوئی۔ اُس دَور کے علماء، حکماء اور فلاسفروں سے ابنِ طفیل نے خوب تعلیم حاصل کی، بالآخر انہی حکماء، اہلِ نظر میں اِن کا شمار ہونے لگا۔

ابنِ طفیل اپنی وسعتِ مطالعہ اور ریاضی، طب، شاعری اور ہیئت میں ہمہ گیر معلومات، ذاتی مشاہدہ اور ادبی مہارت کے ساتھ ساتھ خاص اسلوبِ نگارش اور طرزِ بیان کے حامل تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ مؤرخوں نے اِن کے خاندانی حالات اور ذہنی نشو و نما کا تذکرہ نہیں کیا۔ لسان الدین ابن الخطیب نے اپنی کتاب "مرکزِ الاحاطہ باد بار الغرناطہ" اور مراکشی نے اپنی کتاب "العجب فی تلخیص اخبار العرب" میں جس قدر ابنِ طفیل کے حالاتِ زندگی

لکھے ہیں۔ اگر ان دو کتابوں میں اس قدر اس کا ذکر نہ ہوتا تو ہم آج ابن طفیل کے بارے میں یقیناً بے خبر ہوتے۔ ابنِ طفیل کے اساتذہ کے بارے میں ابن الخطیب، المراکشی اور ابن خلکان کہتے ہیں کہ ابن طفیل نے ایک بڑے گروہ علماء فلسفہ و حکمت سے علم حاصل کیا۔ جن میں سے ابوبکر صائغ ابن باجہ کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے استاذ تھے لیکن ابن طفیل نے اپنی کتاب "حی بن یقظان" میں ابن باجہ کے بارے میں صراحت کی ہے کہ " میری اس سے مُلاقات نہیں ہوئی۔" البتہ ابن باجہ کے فضل و کمال کا بخوبی اعتراف کیا ہے۔ بہر صورت ابن طفیل ابن باجہ کا شاگرد نہیں تھا۔

کمال شہرت

تھوڑے ہی عرصہ میں ابنِ طفیل کی غیر معمولی شہرت غرناطہ کے گرد و نواح میں خوب پھیل گئی۔ چنانچہ کاذیری (CASIRI) کا کہنا ہے کہ ابن طفیل نے طب کی باقاعدہ تعلیم غرناطہ میں حاصل کی، المراکشی کے بیان کے مطابق وہ ابتداء میں غرناطہ کے حاکم "امین الاسرار" (PRIVATE SECRATARY) کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد طنجہ (TAUGILY) کے حاکم ابوسعید کے ہاں "کاتم الاسرار" کے اعلیٰ کے منصب پر متمکن ہوئے، یہ ابوسعید موحد خاندان کے بانی عبدالمومن بن علی کی اولاد میں سے تھے۔

ابنِ طفیل کے بخت و اقبال اور خوش نصیبی کا ستارہ اوج پر تھا، مقدر کی یاوری ہمرکاب تھی، زندگی کے آخری ایام میں اس کے تعلقات ابو یعقوب حاکم وقت سے استوار ہوئے۔ خوب دوستی ہوئی اور یہاں تک کہ ابنِ طفیل اس کا وزیر اور

معالج خاص مقرر ہوا۔

ابو یعقوب حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے باوجود، خاصا سخن فہم، علم دوست اور صاحبِ ذوق حاکم تھا۔ اس کا تفسیر، فقہہ، فلسفہ اور حکمت کا مطالعہ وسیع تھا، ابن طفیل سے ابو یعقوب کے تعلقِ خاطر کا سبب بھی علمی و ادبی مذاق و نظر کی ہم آہنگی تھی۔ چنانچہ ایک بار ابو یعقوب نے ابنِ طفیل سے کہا کہ میری رہنمائی ایک ایسی جامع شخصیت کی طرف کیجیے جو ارسطو کی کتابوں، رسائل سے باخبر ہو، اور جو "الجھنیں" مجھے فلسفیانہ کتب کے مطالعہ اور غور و فکر کے دوران پیش آتی ہیں۔ اس شخصیت سے رجوع کر کے مطمئن ہو سکوں اور گتھیاں سلجھا سکوں۔ چنانچہ ابنِ طفیل نے ابو یعقوب کی ابن رُشد سے رہنمائی کرائی۔

خلیفہ ابو یعقوب سے ابن رُشد کی ملاقات ۱۱۶۹ء میں ہوئی۔ غوتیہ (GAUTHIEV) نے بزعم خویش ابن طفیل کی عمر اسی وقت ۶۳ سال یا ۶۸ سال بتلائی ہے۔ ابنِ طفیل خود بھی ابن رشد کے بجائے حاکم ابو یعقوب کو فلسفہ کے مسائل اور دقیقہ سنجیاں بخوبی سمجھا سکتا تھا۔ لیکن کاروبار حکومت، عہدہ وزارت کی ذمہ داریاں آڑے آتیں۔ اس کے علاوہ سال خوردگی اور بڑھاپے کی وجہ سے بھی کچھ معذور تھا۔ تاہم ابنِ طفیل وقت کے خلیفہ کا خاص مقرب، مشیر اور فلسفہ اور حکمت میں نابغہ روزگار تھا۔

۱۱۸۲ء میں ابو یوسف نے ابنِ رشد کی عظیم شخصیت کو اہمیت دی اور اسے اپنا طبیب خاص مقرر کیا۔ ابنِ طفیل وزارت کی کرسی سنبھالتے رہے اور ابو یعقوب کی خدمت میں ہی رہے۔ یہاں تک کہ ابو یعقوب فرنگیوں سے لڑائی کرتے

ہوئے شہید ہوا اور تینمل میں اپنے والد عبدالمؤمن اور مہدی بن تومرت کے جوار میں دفن ہوا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا ابو یوسف المنصور تختِ حکومت پر بیٹھا، تب بھی ابن طفیل اِن کی خدمت میں رہا۔ ابو یوسف بذاتِ خود علم و حکمت میں متبحر، فاضل اور عادل حکمران تھا۔ اسے ابن طفیل سے انتہائی تعلق خاطر تھا اور ہمیشہ عزت و احترام سے پیش آیا کرتا تھا۔ آخر اس نے ۵۸۱ھ مطابق ۱۱۸۵ء میں مراکش میں وفات پائی۔ خلیفہ ابو یوسف کو ابنِ طفیل کی موت کا بے حد صدمہ پہنچا، اور خود اس کے جنازہ میں شریک ہوا۔

ابنِ طفیل کے آثار

ابنِ طفیل جہاں حکمت و فلسفہ کے تمام اصناف کا متبحر عالم تھا، عربی ادب اور شاعری سے بھی بہرہ ور تھا، خوب برملا شعر کہتا تھا، لیکن ابنِ سینا کی شعر گوئی کے مقابلہ میں اس کے اشعار میں وہ دلآویزی، پختہ کاری اور پُر گوئی ہمیں نہیں ملتی۔ اعلیٰ پائے کی شاعری کا جہاں تک تعلق ہے ہم اسے عظیم شاعروں کی فہرست میں شمار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ابنِ طفیل نے شخصی قصائد اور اہل تصوف کے انداز کلام سے باہر قدم نہیں رکھا، تاہم اس کے اشعار میں بلند خیالی، تنوع پسندی اور اہلِ طریقت کے زاویۂ نگاہ کا ہمیں سراغ ملتا ہے۔ ہم اس کے زہد و تقشف کے نقطۂ نظر کے حامل چند اشعار بطور نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

۱- ترجمہ:- اے! تم اپنے دوستوں کی جدائی میں کیوں رو رہے ہو؟
(بھلا بتلاؤ تو سہی !) تم روح اور جسم کی جدائی پر کیوں نہیں روتے

۲- ایک نور (روح) کچھ مدت تک خاک کے تودے (جسم) میں مقررہ معیاد تک گھومتا پھرتا رہا- پھر کنارہ کش ہو کر اُس نے پرواز کی اور مٹی (جسم) کو تدفین و تکفین (موت) کے سپرد کر دیا- بدن کی رُوح سے جُدائی کا مرحلہ کس قدر کٹھن ہے-

میں سمجھتا ہوں! کہ جسم اور رُوح کا یہ تعلق اور رنباہ "بدنیتی" پر استوار تھا! اگر رُوح اور بدن کا یہ غیر اختیاری اور غیر معمولی تعلقِ باہمی، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضاء سے استوار نہیں ہوا؟ تو بہت افسوس ہے ایسی سودے بازی پر اور کاروبار پر!! جس کا ثمرہ ہمیں بجائے نفع کے نقصان رساں ثابت ہو-

ابنِ طفیل اور طب

لسان الدین الخطیب، ابن اصیبعہ صاحب طبقات الاطباء اور کازیری اِن سب نے ابنِ طفیل کی فن طب میں مہارت اور "کلیات" نامی طبی کتاب کی تصنیف، نیز اس کو ریالی کے کتب خانہ میں ایک قصیدہ کا ذکر کیا ہے- جس میں مفردات ادویہ کے "ارجوزۃ فی الطب" کا تذکرہ کیا ہے- بہرحال ابن طفیل کی علمی غیر معمولی قابلیت اور فنی کامل دستگاہ اس عہد کے مختلف علوم و فنون میں ایک عظیم الشان کارنامہ اور شاہکار ہے-

ابنِ طفیل اور ہیئت

ابنِ طفیل نے اپنی کتاب "حی بن یقظان" کے ابتدائی صفحات میں جس اندازِ بیان سے چند فقرے لکھے ہیں- اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو علمِ فلک میں بھی کافی مہارت اور قدرت حاصل تھی-

ابن رُشد نے اپنی کتاب "الہیات ارسطو" ۱۲ کی شرح میں لکھا ہے کہ اجرام

سماویہ کی ترکیب اور ان کی حرکات کے متعلق ابنِ طفیل کے نظریات نہایت مُفید ہیں"۔

ابنِ طفیل اور فلسفہ

علم فلسفہ کی فلسفیانہ موشگافیوں، باریک بینیوں اور نکتہ آفرینی کا جہاں تک تعلق ہے ہمیں اُس کی صرف ایک مشہور کتاب "حی بن یقظان" تک رسائی ہوئی ہے۔ ممکن ہے اُس کتاب کے علاوہ بھی اُس نے دُوسری کوئی کتاب اس فن میں لکھی ہو، جو منصور کے زمانہ میں دوسری علمی کتابوں کے ذخیرہ کے ساتھ نذرِ آتش ہو گئی ہو۔ چناں چہ مراکشی نے لکھا ہے کہ "مجھے ابنِ طفیل کی ایک کتاب "رسالۃ النفس" کا نسخہ ہاتھ لگا ہے۔ ابنِ طفیل کی کتاب "حی بن یقظان" جو طبیعات (PHYSICS) کے موضوع پر ہے۔ جس میں نوعِ انسانی کی تخلیق کا مقصد، اور اس کے فکر و عمل کا تجزیہ بیان کیا ہے، چنانچہ لکھتا ہے کہ

"میرا یہ عقیدہ اور نظریہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی غور و خوض سے محسوس سے معقول تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ انسان میں غیر معمولی صلاحیتیں ہیں جب اس میں شعور اور ادراک بیدار ہوتا ہے تو وہ اپنی طبعی قوتوں سے کام لے کر اس کائناتِ رنگ و بُو اور اس کے خالق حق تعالیٰ کی معرفت بخوبی حاصل کر لیتا ہے۔ معرفت کی مشہور دو قسمیں ہیں۔

(۱) معرفتِ حدسی (۲) معرفتِ نظری

نیز انسانی فکر کے ارتقاء سے اور ذوقِ وجدان کی جلا سے، ریاضت اور عبادت سے جو معرفتِ الٰہی کی بنیاد پر ہو، انسان انوار و تجلیاتِ خداوندی کا، وارداتِ معنوی و روحانی کا سرچشمہ بن سکتا ہے۔

اور وہ سے

ہر چند ہو، مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر (غالبؔ)

کا مصداق نظر آتا ہے۔

ماحاصل یہ کہ ابنِ طفیل کے قصّہ "حی بن یقظان" میں دوسرے فلسفیانہ قصص سے جُداگانہ نوعیت کا ایک قدرتی طرزِ بیان، فکری و عملی زندگی جو حرکت اور حرارت سے بھرپور ہو، نیز زندگی کے تلخ حقائق کا مردانہ وار مقابلہ اور جُرأت و اقدام کی باریک تفصیل ملتی ہے۔

اس کے علاوہ ابنِ طفیل کا خاص اسلوب، سہل عبارت اور دل آویز طرزِ نگارش اور ترتیب کے ساتھ ساتھ انسانی فکر کی تاریخ اور ارتقاء کا خاصا مواد موجود ہے۔ یہ کتاب فلسفہ کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ و جاوید رہے گی۔ اس قصہ "حی بن یقظان" کا فکری اثر ڈینیل ڈیفو پر بھی غیر معمولی ہوا ہے، بہر صورت ابنِ طفیل ایک عظیم فلسفی، شاعر، طبیب اور اپنے دَور کے عبقری اور نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔

(بہ شکریہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد
(سندھ)

○

ابوالقاسم شاطبیؒ

قرآنِ حکیم کے فنِ تجوید و قراءت کی ہر قرن و ہر عہد اور ہر زبان میں اتنی خدمت ہوئی کہ اس پر غیر معمولی تصانیف کا شمار نہیں ہو سکتا۔ سلف صالحین نے جہاں قرآنِ حکیم کے مقدس سرچشمۂ رشد و ہدایت سے روحانی، ذہنی، معنوی اور ظاہری اور باطنی فیضان حاصل کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

فنِ تجوید کی اہمیت

فنِ تجوید بھی اِس سلسلہ کی مبارک کڑی ہے۔ آج بھی جب کہ مسلمانوں نے قرآنِ حکیم کے "جہانِ معنیٰ" سے اپنی کم نصیبی سے منہ موڑ لیا ہے اور بجائے قرآنِ حکیم کی سور، قول، آیات اور معانی و مقاصد میں غور و فکر، تدبر اور بصیرت کے حصول کے دروازے خود پر بند کر رکھے ہیں۔ قرآنِ حکیم کی پاکیزہ تعلیمات، بے داغ احکامات اور اہم ارشادات کی روشنی میں زندگی بسر کرنا ترک دیا ہے اور عظمت، کردار و حریتِ فکر، خودداری و عزتِ نفس اور قومی سطح پر حمیت و غیرت نیز احساسِ ذمہ داری سے محرومی اور ذلت و رسوائی کا بڑا سبب تارکِ قرآن ہونا ہے۔

موجودہ دور کے نام نہاد مسلمان، خدا پرستی اور نیک عملی کے سانچے میں ڈھلنے کے بجائے، مادیت پسندی اور لذت پرستی کو اپنی زندگی کا (MATOE) "نصب العین" بنا چکے ہیں۔

یقین جانیے، کہ جب اپنے معاشرہ پر ایک طائرانہ نظر اٹھتی ہے تو دل طول اور دماغ ماؤف ہوتا ہے کہ ؎

اے کاشکی کہ مرا مادر نہ زادے

ہم نام کے مسلمان وضع قطع میں نصاریٰ، تہذیب و تمدن میں یہود اور مکر و تزویر میں ہنود کی ذہنیت کے حامل ہوتے جا رہے ہیں۔ ؎

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

رونا اور ماتم تو یہ ہے کہ "ابلہ مسجد" ملا بھی تہہ محراب و منبر لمبی تان کر گھوڑے بیچ کر سو رہا ہے، حق گوئی و بے باکی سے عاری، احساس ذمہ داری سے جس کو قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کہتے ہیں، کورا ہو چکا ہے اور اب جہاد فی سبیل اللہ کے بجائے گویا "دین ملا فی سبیل اللہ فساد" پر کمر بستہ ہے۔ تصویر کے دوسرے رخ پر نگاہ ڈالیے تو "تہذیب کا فرزند" "مسٹر" بھی

؎ چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر

کا مصداق نظر آتا ہے۔

تاہم ہمارے معاشرے میں ایسی شخصیتوں کی ہرگز کمی نہیں جو اپنے پہلو میں دلِ درد مند رکھتے اور آج بھی اس قحط الرجال کے دور میں قرآنِ حکیم کی عظمت اور شان اور اسی کی خدمت کے شرف سے مشرف اور لائقِ صد احترام ہیں۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن

نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن (اقبال)

حضرت امام ابوالقاسم شاطبیؒ اندلسی کی شخصیت ہمیں عشاقِ قرآن حکیم میں سرفہرست نظر آتی ہے۔ موصوف کا فنِ قرأت و تجوید میں "قصیدہ شاطبیہ" (فی القرأت السبع، حرز الامانی ووجہ التھانی) قرآنِ حکیم کی عظیم خدمت کا عظیم الشان کارنامہ اور شاندار شاہکار ہے۔

ولادت

امام شاطبیؒ مضافات اندلس کے گاؤں شاطبہ میں ۵۳۸ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ نے قرأت و تجوید امام ابوالحسن علی بن ہزیلؒ سے اور انھوں نے حضرت سعید بن عثمانؓ سے مصنف تیسیر سے پڑھی نیز اُنھوں نے اپنے زمانے کے شیوخ کبار سے قرأت سبعہ پڑھیں۔ قرأت و تجوید کے علاوہ تفسیر و حدیث نیز فنِ نحو اور تعبیر کے علم میں بھی ماہر تھے۔ جب علومِ متداولہ سے فراغت ہوئی تو ۵۷۲ھ میں مصر پہنچے۔ قاہرہ کے مدرسۂ فاضلیہ میں شیخ القرأ مقرر ہوئے۔ آپ نابینا تھے لیکن کمال درجہ کے ذہین اور فطین تھے۔ نیز عالم باعمل اور عارفِ حق تھے۔ امام شاطبیؒ کے قرآن سے شغف اور غیر معمولی حسنِ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ان کے مشہور قصیدۂ شاطبیہ (لامیہ) کے علاوہ گیارہ سو تہتر اشعار اور قصائد بھی لکھے۔ چناں چہ ایک ایک قصیدہ ایک سو تہتر (رائیہ) جو مصحفِ عثمانی کے رسم الخط میں ہے لکھا۔ اس کے بعد دو سو اٹھانوے اشعار ہیں جن میں فنِ تجوید و قرأت کے موضوع پر معیاری اعلیٰ علمی، فنی مواد موجود ہے۔ نیز تیسرا مجموعہ اشعار ناظمۃ الظاہر ہے جس

دو سو ستانوے اشعار ہیں چوتھا قصیدہ (دالیہ) ہے جس کے پانچ سو اشعار ہیں۔ جس میں ابن عبدالبرؒ کی تمہید کا خلاصہ کیا ہے۔ جو بارہ مجلدات میں ہے۔ فللہ درہ۔ اگرچہ قرأت کو نظم کے پیرائے میں لکھنے کے موجد تو حضرت ابوالحسنؒ حصری ہیں لیکن پوری قرائت سبعہ کو اوّلاً آپ ہی نے نظم کیا۔ امام شاطبیؒ کے دور میں اگرچہ بہت سے ائمہ فنِ قرأت نے بکثرت قصیدے لکھے لیکن موصوف کے قصائد کی مقبولیت خداداد ثابت ہوئی اور اہل فن نے ان کے قصیدے سر آنکھوں پر لیے اور خوب خوب استفادہ کیا۔ "قصیدۂ شاطبیہ" کی غیر معمولی مقبولیت اور پذیرائی کا یہ عالم ہے کہ پچاس کے قریب شروح و حاشیے و تکملے اس پر آج تک لکھے گئے ہیں۔

قصیدۂ شاطبیہ کی خصوصیات

۱۔ قصائد کے نظم کی عربی ادب و زبان کی حیثیت سے اُن کی علمی و ذہنی سطح بہت بلند ہے۔

۲۔ غیر مستعمل خاص اصطلاحات و رموز فنِ تجوید سے عام آدمی استفادہ نہیں کر سکتا۔

۳۔ اکثر وہ لغات استعمال کیے ہیں جو عموماً فنِ قرأت کی کتب میں نایاب ہیں۔

۴۔ "متعدد مذاہب" ایک ایک دو دو شعروں میں بیان کیے گئے ہیں۔

۵۔ بعض مقامات پر کلماتِ قرآنی کے تلفظ کو کافی سمجھ کر حرکات ضبط نہیں کیں۔

تاہم امام ابوالقاسم شاطبیؒ نے جس اچھوتے، خوب صورت اور بوقلموں انداز سے فنِ تجوید و قرأت کے مطالب و مضامین کو نظم کے من بھاون اور دلوں پیلے روپ میں ڈھالا ہے۔ یہ ان کا قرآنِ حکیم سے انتہائی عقیدت و محبت اور

عشقِ وحی الٰہی کا کھُلا ثبوت ہے اور ان کا قصیدۂ شاطبیہ اہلِ نظر کے لیے گلِ سرسبد ہے اور گلدستۂ خوشی رنگ و خوش آہنگ ۔

وفات ۵۳ سال کی عمرِ طبعی پاکر ۲۸ جمادی الثانی ۵۹۰ھ بروز اتوار بعد نمازِ عصر قاہرہ (مصر) میں وفات پائی۔ علامہ ابو اسحاق رح خطیب (جامع مسجد مصر) نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور سوموار کے دن کوہِ مقطم کے قرافۂ صغریٰ مقبرہ قاضی فاضل رح میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ)

بحوالہ - ارشاد المرید، ۱۳۷۱ھ - شرح ملا علی قاری رح

(مطبوعہ فیض الاسلام، مارچ ۱۹۷۳ء)

عبد القدوس گنگوہیؒ

شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے ان جلیل القدر اکابر اور نامور صوفیا میں سے ہیں، جن کا اسم گرامی سلسلے کی تاریخ کا ایک جلی عنوان ہے۔ انھوں نے اس سلسلے کے فروغ و ترقی میں جو جد و جہد کی اس سلسلے کو جس طرح حیاتِ تازہ بخشی، اس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس سلسلے کے مجدد تھے۔ خود انھوں نے اپنے متعلق ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ "من ایں سلسلہ را رنگے دیگر بخشیدم۔"

ان کی خانقاہ تقریباً چھہتر (۷۶) سال تک رشد و ہدایت کا گہوارہ رہی جس سے ہزاروں انسان سلوک و معرفت کی تربیت حاصل کر کے نکلے اور ہند و پاکستان کے گوشے گوشے میں پھیل کر علمِ انسانیت کو بلند کیا۔ وہ اپنی تبلیغی جد و جہد اور روحانی تصرف سے انسانی قلوب پر اثر انداز ہوئے اور بگڑے ہوئے انسانوں کو صلاح و تقویٰ سے آراستہ کر کے معرفتِ الٰہی اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نئی لگن ان میں پیدا کی۔

نام و نسب

آپ کا اسمِ گرامی عبدالقدوس، آپ کے والدِ ماجد کا نام شیخ محمد اسمٰعیل اور آپ کے جدِ امجد کا نام شیخ صفی الدین تھا، جو امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد سے تھے۔

شیخ محمد اسمٰعیل

۱۴، ربیع الثانی ۸۰۹ھ کو شیخ صفی الدین کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام آپ نے محمد اسمٰعیل رکھا۔ شیخ محمد اسمٰعیل ابھی چالیس ہی روز کے تھے کہ اتفاق سے حضرت سلطان اشرف جہانگیر سمنانی ردولی تشریف لائے۔ حضرت شیخ صفی الدین نے اپنے صاحبزادے شیخ محمد اسمٰعیل کو ان کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت سید اشرف سمنانی نے نہایت شفقت سے ارشاد فرمایا کہ یہ بھی ہمارا مرید ہے، ہم نے اس کو قبول کیا۔ صاحب "لطائف اشرفی" نے حضرت شیخ اسمٰعیل کا شمار بھی شیخ سید اشرف جہانگیر سمنانی کے خلفاء میں کیا ہے۔

جب شیخ اسمٰعیل (شیخ گنگوہی کے والد ماجد) علوم رسمیہ اور سلوک کی تکمیل کر چکے تو آپ کے والد نے آپ کا عقد قاضی خاں کی صاحبزادی قاضی دانیال کی ہمشیرہ سے کر دیا۔ یہ خاندان ردولی میں اپنی شرافت و نجابت اور علم و فضل کے اعتبار سے ممتاز سمجھا جاتا تھا[1]

حضرت شیخ اسمٰعیل کے چار صاحبزادے ہوئے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) شیخ عبدالصمد (۲) شیخ عزیز اللہ (۳) شیخ عبدالقدوس (۴) شیخ حبیب اللہ عرف مخدوم منجھن۔

---

[1] انوار الصفی قلمی۔

شیخ محمد اسمٰعیلؒ کا زیادہ تر وقت درس و تدریس، ارشاد و تلقین اور عبادت الٰہی میں گزرتا تھا۔ ہر جمعہ کو جامع مسجد میں پابندی سے وعظ فرماتے۔ دنیا اور اہل دنیا سے آپ کو سروکار نہ تھا، فقیرانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔

جب شیخ موصوف کی عمر اٹھتر (۷۸) سال کی ہوئی تو ایک روز اپنے چاروں صاحبزادوں کو طلب کیا اور بہت دیر تک ان سب کو نصائح اور وصایا فرماتے رہے۔ پھر آپ نے تینوں صاحبزادگان کے سامنے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ عبد الصمدؒ کو خلافت وسجادگی سے سرفراز فرمایا اور تمام سلاسل میں خصوصاً سلسلۂ نظامیہ میں بیعت کی اجازت دی اور اپنی جگہ مسند ارشاد پر بٹھایا۔ پھر اپنے صاحبزادے شیخ عبد القدوسؒ سے فرمایا کہ تمھیں سلسلۂ چشتیہ صابریہ سے فیض پہنچے گا۔

شیخ محمد اسمٰعیلؒ نے روز چہار شنبہ ۱۳ ربیع الاوّل ۸۶۰ھ کو وفات پائی۔ ردولی میں آپ کا مزار حضرت شیخ صفی الدینؒ کے مزار کے متصل جانب غرب واقع ہے۔[1]

ولادت اذکار الابرار میں ہے کہ شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ کی ولادت ۸۶۰ھ میں بہلول ہی کے عہد میں ہوئی ہے۔ حضرت شیخؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور خیالات کے ارتقاء میں ان کے والد ماجد حضرت شیخ محمد اسمٰعیل کا بڑا حصہ ہے۔

---

[1] نسب نامہ قلمی از قاضی مظہر الحق ردولوی

تعلیم صغیر سنی ہی سے آپ کے طلب علم اور شوق کا یہ عالم تھا کہ دن رات حصولِ علم میں غرق رہتے تھے، زندگی کی ساری دلچسپیوں کا مرکز صرف حصولِ علم اور ذوقِ عبادت تھا۔ آپ سارا دن پڑھتے تھے اور رات کو عبادت و ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے تھے۔

شیخ کی جودت و طبّاعی اور غیر معمولی دلچسپی کو دیکھ کر آپ کے اساتذہ بھی آپ پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے۔

ترکِ تعلیم جب جذبۂ عشقِ ربّانی نے زندگی کی اصل حقیقتوں کو آپ پر روشن کر دیا اور محبت الٰہی کی آگ سینے میں بھڑک اٹھی تو آپ نے تعلیم ظاہری کو چھوڑ کر اور ماسوی اللہ سے انقطاع کر کے خرقہ پوشی اختیار فرمائی اور ایک جذبہ کی کیفیت آپ پر طاری ہو گئی۔

جب آپ نے تعلیم کو چھوڑ دیا اور کتاب کو پھاڑ ڈالا تو آپ کی والدہ ماجدہ کو بے حد صدمہ ہوا۔ تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ اگرچہ آپ نے سوائے ابتدائی کتابوں کے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور آپ کی ساری عمر ریاضتوں اور مجاہدوں میں گزری، لیکن علم باطنی کی طرح علم ظاہری میں بھی کیفیت یہ تھی کہ علمی مسائل میں آپ کے ارشادات پر اکابر علماء اور اہل کمال کو آپ کے سامنے مجال دم زدن نہ تھی۔

بیعت حضرت شیخ گنگوہیؒ نے اگرچہ براہ راست فیض حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ سے حاصل کیا تھا، لیکن مرید آپ اُن کے پوتے حضرت شیخ محمدؒ سے ہوئے۔ آپ پر تفرید و تجرید کا رنگ اس قدر غالب

تھا کہ آپ اس کو ناپسند فرماتے تھے کہ مال و متاعِ دنیاوی سے کوئی چیز گھر
میں موجود رہے۔

شیوخ کی خدمت ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میری عمر کا بڑا حصہ پانی کھینچنے، مٹی ڈھونے، لکڑی کاٹنے، جھاڑو دینے
اور دوسرے اسی قسم کے کاموں میں صرف ہوا ہے۔ میرے شیوخ و اساتذہ نے
میرے ہر کام کے لیے وقت مقرر کر دیا تھا، ان کا اس سے مقصد یہ تھا کہ میرا
کوئی بھی وقت بیکاری اور غفلت میں نہ گزرے اور شیطان اور نفس کو بہکانے
اور گمراہ کرنے کا موقع نہ ملے[1]

عبادت عبادت میں آپ نماز اور ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ کلامِ پاک سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ آپ صائم الدہر تھے اور تمام رات
ذکر بالجہر میں گزر جاتی تھی۔

معیشت حضرت شیخ حلال روزی حاصل کرنے کے لیے کھیتی باڑی کرتے تھے۔ جب ان کے کھیت میں غلہ تیار ہو جاتا تو سب
سے پہلے اس میں سے فقراء کو دیتے پھر اس میں سے اپنی ضرورت کی حد تک
رکھ لیتے[2]

خلافت الازدواج کے بعد آپ کو شیخ حضرت محمد علیہ الرحمۃ نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور آپ نے مختلف طبقات کے مشائخ اور خانوادوں
سے خلافت حاصل کی، جس کی تفصیل یہ ہے:

---

[1] لطائف قدوسی ص ۳۱ [2] خزینۃ الاصفیاء ص ۴۴۸

شیخ عبدالقدوس، شیخ محمد، شیخ عارف، شیخ احمد عبدالحق، شیخ جلال الدین پانی پتی، شیخ شمس الدین ترک، شیخ علاؤ الدین، شیخ فریدالدین مسعود اجودھنی خواجہ قطب الدین بختیار اوشی، خواجہ معین الدین حسن سنجری۔

ہجرت ۸۹۷ھ میں جب کہ ردولی کے حالات خراب ہو گئے۔ آپ اپنے وطن ردولی سے ہجرت کر کے شاہ آباد ضلع کرنال تشریف لے آئے اور یہاں تقریباً ۳۸ سال تک ارشاد و تلقین اور اعلاء کلمۃ الحق میں مصروف رہے۔ ۹۳۲ھ میں اپنے ایک مخلص مرید ملک محمد عثمان کرانی کے اصرار اور بار بار کی استدعا پر گنگوہ تشریف فرما ہوئے۔ گنگوہ تشریف لا کر محلسرائے میں مقیم ہوئے، اتفاق سے محلسرائے میں آگ لگ گئی۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ آگ تیزی سے پھیلتی گئی۔ بہت سے لوگ جل کر تباہ ہو گئے۔ بہت سے لوگوں کا سامان لُٹ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ کے دست مبارک میں تسبیح و رومال تھا وہ بھی جل گیا۔ آپ اس حادثے سے بے حد متاثر ہوئے۔ اسی رات آپ کو الہام ہوا کہ اس قسم کے مصائب و حوادث بر تمہیں متاثر نہ ہونا چاہیئے۔ ہم نے تم کو قطبیت عطا کی ہے۔[1]

کشف و کرامت کشف و کرامات بزرگی کی دلیل نہیں۔ اسی بناء پر بعض بزرگوں کا یہ مقولہ آج بھی زبان زد ہے کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خدا نے بزرگ و برتر اپنے اولیاء کو اس نعمت سے بھی نوازتا ہے

---

[1] خزینۃ الاصفیاء، ص ۴۱۷

جو اُن کی عظمت کو سمجھنے کے لیے نشانِ راہ کا کام دیتی ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی زندگی میں بھی ہمیں خرقِ عادات کے واقعات ملتے ہیں جو واقعتاً کرامات تھے۔ ان کے راوی، ان کے مرید، خلفاء اور بعض علماء متاخرین ہیں جن کی صداقت و ثقاہت میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

ایک دفعہ حضرت شیخ موضع جھاج پور میں تشریف لائے جو نواح پانی پت میں ہے۔ رات کے وقت آپ ذکر و شغل میں مصروف تھے، رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی کہ آپ نے اچانک بلند آواز سے فرمایا:۔ اے گاؤں والو جلد از جلد اس گاؤں کو چھوڑ دو اور اپنا سامان اور مویشی لے کر نکل جاؤ کہ یہاں آگ لگنے والی ہے۔ لیکن آپ کی بات پر کسی نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس گاؤں میں آگ لگی اور سب جل کر خاکستر ہو گئے۔

صوفی شیخ جعفر حضرت شیخ کے خاص خادموں میں سے تھے۔ ان کے جسم میں حرارت کی یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ ہر وقت کہتے تھے کہ میں جلا جا رہا ہوں۔ ان کی موت میں کوئی شبہ باقی نہ تھا۔ حضرت شیخؒ کو ان کی حالت کی خبر ہوئی، فرمایا وہ تو ہمارا خادم ہے یہ فرما کر آپ نے پانی دم کر کے انھیں پلوایا اور خدا کے فضل و کرم سے انھوں نے شفا پائی۔[1]

علامہ اقبالؒ نے اپنی کتاب "اسلام میں مذہبی افکار کی تجدید" میں معراج نبویؐ کے عظیم الشان واقعہ کی نسبت حضرت شیخؒ کے اس قول پر کہ "محمدؐ مصطفےٰ در قاب قوسین او ادنیٰ رفت و باز گردید واللہ باز نہ گردیم" تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"یہ ایک بہت بڑے صوفی مسلمان ولی اللہ حضرت شیخ عبدالقدوس

---

[1] لطائف قدوسی ص ۴۳

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ صوفیانہ ادب کے سارے سرمائے میں شاید ہی کوئی اور ایسی مثال مل سکے۔ جس میں ایک مختصر سے جملے میں نبی اور ولی کے فرق کو اس درجہ صاف اور واضح طریقے پر بیان کیا گیا ہو۔"

حضرت شیخؒ مسلک اہل سنت والجماعت کے شدت سے پابند اور فقہ حنفی کے پیرو تھے۔ اتباع سنت کا ہر حال میں خیال رکھتے تھے۔ ہمیشہ آپ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ احکام شریعت و سنتِ نبوی کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ یہاں تک کہ وجد و حال اور عالم جذب و مستی میں بھی احکامِ شریعت آپ کے پیشِ نظر رہتے تھے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے رشد و ہدایت کی شمع ایسے زمانے میں روشن کی جب کہ زندگی شکر و دام میں تبدیل ہو رہی تھی۔ علماء سوء اپنے علم کو دُنیا کے حصول کا وسیلہ بنائے ہوئے تھے اور جاہ و منزلت کے حصول کے لیے اپنے علم کو امراء کے قصائد اور اپنی تصانیف کو ان کی مدح کے لیے وقف کر رہے تھے۔ (خلاصہ مکتوبات قدوسیہ ص ۹۱)

وصال ۱۵ ر جمادی الآخر ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء میں دوشنبہ کے دن حضرت شیخؒ کو جاڑے کے ساتھ بخار آیا۔ چار روز تک سخت بخار رہا۔ پانچویں روز جمعہ تھا۔ آپ جمعہ کے دن کچھ دیر سوئے۔ اس روز مزاج کچھ درست تھا۔ پھر نماز جمعہ ادا فرمائی۔ نماز جمعہ کے بعد پھر آپ کو بخار شروع ہوا۔ چار روز تک پھر بخار آتا رہا۔ آخر ۲۳ ر جمادی الآخر ۹۴۴ھ کو چاشت کے وقت ۹۴ سال کی عمر میں آپ واصل الی اللہ ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مزار مبارک آپ کا مزار مبارک قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور (یوپی) محلہ سرائے میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

شاعری حضرت شیخ رح کو قدرت کی جانب سے ایک والہانہ طبیعت عطا ہوئی تھی۔ آپ کے کلام میں بھرپور رچاؤ، لذت، کیفیت، سادگی، دل نشینی، سوز و گداز اور اثر آفرینی ہے۔ قارئین کی روحانی بالیدگی، ذہنی تازگی نیز فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے ہم چند اشعار تیمناً درج کرتے ہیں ؎

خویشتن را جلوہ کردی اندریں آئینہا	آئینہ اسمش نہادی خود باظہار آمدی!
بندۂ قدوس گنگوہی خدا را خود شناس	ایں ندا از غیب با اسرار می گوید بگو
درویش در عبادت دائم بروز و شب	درویش نیست آنکہ نخسپد خورد وچرہ
من تیر عشق خوردم، من جاں ہدف بکردم	من در امان عشقم، اے طالباں بدانید

ملفوظات حضرت شیخ رح نے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ حمید الدین رح کو علم و عمل کے فوائد پر ایک نہایت نصیحت آمیز اور اثر انگیز گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں :-

"اے فرزند۔ فرصت کو غنیمت جانو، اور دن رات علم کے حاصل کرنے میں انتہائی کوشش کرو کہ علم حاصل کرنے کا وقت یہی (عنفوانِ شباب) ہے اور ہمیشہ طہارت، ادائے فرض و سنن میں خشوع و خضوع اور تعدیلِ ارکان کے ساتھ اسی طریقے پر کہ جس طرح ہم کو صاحب شریعت نے تعلیم دی ہے لگے رہو کہ اسی کام پر استقامت کرنے سے دو جہان کی سعادت اور دولت جاودانی اور بے شمار برکتیں اور رحمتیں حاصل ہوتی ہیں اور تمہیں یہ

بھی جاننا چاہیئے کہ مقصود علم سے عمل ہے کہ کل قیامت کے دن عمل کے
متعلق پوچھا جائے گا نہ کہ کثرتِ علم کے متعلق، اور عمل کا مقصود اخلاص
اور حق تعالیٰ کی محبت ہے ۔"

(زبدۃ المقامات ص ۱۰۰)

○

سیّد وارث علی شاہؒ

دُنیا میں ایسی نادرۂ روزگار ہستیوں کا وجود شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ ان کا ظہور عرصۂ دراز کے بعد کسی معزز و ممتاز خاندان میں ہوتا ہے۔ جن کے چشمۂ فیض سے ہزاروں مردہ دل سیراب ہو کر روحانی زندگی حاصل کرتے ہیں، سید وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت بھی ایک ایسی ہی ہستی تھی، سیدنا امام حسین علیہ السلام کی چھبیسویں پُشت میں امام ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نسل سے ہندوستان میں نیشاپور کے ایک خاندان سادات میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی نشو و نما کے بعد علم و عمل سے بہرہ ور ہو کر تمام عمر یہی کام کیا کہ خاص و عام کو محبتِ شاہد حقیقی کی ہدایت فرماتے رہے۔

خاندان دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی مضافات لکھنؤ کے ممتاز حضرات کو آپ کے نسبی اعزاز اور خاندانی امتیاز کا پورا اعتراف ہے۔ مؤلفین سیرتِ وارثی ("عین الیقین"، "مشکوٰۃ حقانیہ" اور "جلوۂ وارث") کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت کے جد امجد سید اشرف

ابوطالب علیہ الرحمۃ نیشاپور سے تقریباً ۶۵۷ھ میں تشریف لائے اور قصبۂ کنتور ضلع بارہ بنکی میں اقامت پذیر ہوئے۔ وہ صحیح النسب سادات کاظمی کے چشم و چراغ تھے۔ حضرت سید اشرف ابوطالبؒ کی آٹھویں پشت میں سید عبدالاحد علیہ الرحمۃ ۱۱۲۷ھ میں کنتور قصبہ سے دیوہ شریف آئے۔ اہالیان قصبہ آپ کی تشریف آوری سے نہایت مسرور ہوئے۔ آپ کی ذات بابرکات سے رشد و ہدایت کا فیض بھی جاری ہوا۔ ۱۱۴۱ھ میں سید میراں احمد علیہ الرحمۃ دیوہ شریف میں پیدا ہوئے۔ ان کے صاحب زادے سید کرم اللہ علیہ الرحمۃ تھے۔ جن کے تین صاحب زادے تھے۔ سید سلامت علی، سید بشارت علی، سید شیر علی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین، سید سلامت علی علیہ الرحمۃ کے دو صاحب زادے ہوئے، سید خرم علی جن کی اولاد بریلی میں ہے دوسرے کا اسم گرامی حضرت سید قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ ہے۔ جو حضرت حاجی سید وارث علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد بزرگوار تھے۔ جن کا عقد اپنے حقیقی چچا حضرت سید شیر علی علیہ الرحمۃ کی صاحب زادی سیدہ بی بی سکینہ عرف چندن بی بی سے ہوا، جن کو خدا نے یہ شرف دیا کہ وہ حضرت سید وارث علی شاہ کی والدہ ماجدہ ہوئیں۔

ولادت

صاحب تحفۃ الاصفیاء تحریر فرماتے ہیں کہ یکم رمضان المبارک ۱۲۳۸ھ کو حضرت قبلہ پیدا ہوئے۔ تقریباً دو سال کی عمر تھی کہ شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور اس دُرِّ یتیم کی تربیت آغوشِ والدہ میں ہونے لگی۔ لیکن حق تعالیٰ کو یہ بھی منظور نہ ہوا۔ چنانچہ ابھی آپ تین سال

کے کہ یہ یتیم بچہ آغوشِ مادر سے بھی محروم ہوگیا۔ اس حادثہ جانکاہ کے بعد حضرت کی جدہ مکرمہ سیدہ حیاۃ النساء بی بی نے پرورش و کفالت کی ذمہ داری قبول کی۔ آپ بچپن سے ہی عام بچوں سے بالکل جداگانہ عادات و اطوار کے حامل تھے۔

تعلیم

شاہ فضل حسین وارثی صاحب کنز المعرفۃ کا بیان ہے کہ آپ کی دادی جان کی خواہش کے مطابق آپ کی تعلیم کا ذمہ آپ کے چچا کے سپرد ہوا۔ چنانچہ آپ نے اپنے چچا سے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور اپنی خداداد ذہانت و قوتِ حافظہ سے دو سال کے اندر آپ حافظِ قرآن ہو گئے اور بعض ابتدائی کتابیں بھی اختتام کو پہنچیں۔

صاحب مشکوٰۃ حقانیہ کی صراحت کے مطابق آپ نے درسی کتب کی تعلیم مولوی امام علی ساکن قصبہ ستر کھ ضلع بارہ بنکی سے حاصل کی۔ مولوی صاحب بکمال احتیاط بغیر تنبیہ اور تشدد کے نہایت دل جوئی سے آپ کو پڑھاتے تھے۔ آپ کے حقیقی بہنوئی حضرت حاجی سید خادم علی شاہ آپ کو لکھنؤ لائے اور تعلیم کا سلسلہ بدستور قائم رکھا۔

آپ کی تعلیمی ترقی کے ساتھ آپ کا جذبۂ شوق بڑھتا گیا اور عشقِ حقیقی کی والہانہ کیفیات میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ قریب قریب ہر وقت وجد اور استغراق کی کیفیت رہنے لگی۔ طبیعت تنہائی پسند ہو گئی۔ اکثر غیر آباد مقامات میں آپ تمام شب ذکر و اشغال میں مصروف رہتے۔ حضرت حاجی سید خادم علی شاہ علیہ الرحمۃ نے مزاج کو فقر کی جانب زیادہ مائل دیکھا تو مشائخ کے طریقے

کے مطابق آپ کو سلسلہ قادریہ و چشتیہ میں داخل فرمایا۔ آپ کا سینہ جو حقائق و معارف کا گنجینہ تھا، پیران طریقت کے فیضان سے اور زیادہ مصفا و مجلا ہو گیا۔ فراق شاہد حقیقی کے ناقابل برداشت اثرات سے اضطراری کیفیت بڑھ گئی۔ دن رات بے قرار رہنے لگے۔

حضرت سید خادم علی شاہ کی وفات ۴ صفر ۱۲۵۲ھ کو ہوئی۔ تیسرے روز رسم فاتحہ خوانی کے بعد مریدین و معتقدین کے علاوہ علمائے دین اور مشائخ جمع ہوئے تو دستار بندی کا مسئلہ درپیش تھا۔ نبیرۂ حضرت غوث گوالیاریؒ نے اس منصب جلیلہ کے لیے آپ کا نام تجویز فرمایا۔ اور دیگر مشائخ وقت نے اس رائے سے اتفاق کیا۔

سیر و سیاحت سید وارث علی شاہ نے بارہ [۱۴] سال تک عرب و عجم کی سیاحت فرمائی اور اس دوران میں دس مرتبہ حج سے مشرف ہوئے۔ واپسی کے بعد پھر ہندوستان سے سات مرتبہ ادائے حج کے لیے حجاز تشریف لے گئے۔

امام شعرانی علیہ الرحمۃ لباس کے بارے میں فرماتے ہیں:-

درویش کا برہنہ جسم رہنا اشارہ ہے کہ باطن میں ہستی سے تجرید ہے۔"

سید وارث علی شاہ نے ۱۲۵۲ھ کے سفر حج و زیارت مدینہ منورہ میں بیک وقت اپنے قدیم لباس کے ہر حصہ کو خدائے لم یزل کی محبت میں ہمیشہ کے لیے ترک فرما دیا۔ آپ کا مسلک صرف عشق تھا اور عشاق کی معراج کمال فنا اتم ہے۔ نیز اہل فنا کو خاک سے مناسبت ہے جس کا حقیقی رنگ زرد

ع رنگ زرد و آہ سرد و چشمِ تر! ہے۔

خصائل و عادات

حضرت وارث کا مشرب زاہدانہ، مسلک عاشقانہ، موئے سر دراز جس میں کبھی قینچی نہیں لگی، تشتر سال پا برہنہ سیاحت کی، ابتلاد و سعت میں تحمل و صبر، ماسوائے یار تمام عالم سے دست بردار، توکّل بے تکیہ، خدا پر بھروسا، تعلقات دُنیا و اہل سے انقطاع راضی بہ رضائے حق، ہاتھ کے خالی، دل کے غنی، طبیعت غیور اور مزاج مستغنی، نمود و شہرت سے نفور، اقوال و افعال اثراتِ عشقِ محبوبِ حقیقی سے معمور، خلق اللہ کے ہمدرد، یار و اغیار کے یکساں خیر خواہ، حلم و بردباری کا پیکر، راستبازی کا مجسمہ، سراپا رشد و ہدایت، محبت کی تعلیم و تلقین، یہ ایسے مستحسن صفات ہیں جن کا عکس آپ کے حالات و واقعاتِ زندگی سے نمایاں ہے۔

عام معمولات

استراحت و آرام فرمانے کے لیے آپ کا بستر بھی زاہدانہ اور قلندرانہ تھا۔ آپ زمین پر کمبل بچھا کر آرام فرماتے تھے اور داہنے ہاتھ کو خم دے کر بجائے تکیہ سر کے نیچے رکھ لیتے تھے۔

آپ نے ۱۴ سال کی عمر سے لے کر زندگی بھر اپنی ذات کے لیے کوئی مکان نہیں بنایا! بلکہ ہمیشہ سیر و سیاحت فرمائی۔ اکثر فرمایا کرتے "ہم مسافر ہیں"۔

گھریلو زندگی کے بارے میں فرمایا کرتے "چولہے چکی کا خیال مردانِ خدا نہیں کرتے"۔

الغرض جملہ اسباب آرام و راحت سے آپ نے احتراز فرمایا حتیٰ کہ مناکحت اور متاہلانہ زندگی جو ہر قسم کی عافیت کا مجموعہ ہے اس سے بھی آپ نے

کلیتہً احتراز کیا اور ہمیشہ غیر متاہل رہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے کہ ہم "لنگوٹ بند ہیں" اور "زن، زمین، زر، میں جھگڑا ہے اِن کو چھوڑے تو آزاد ہو"۔ نیز فرماتے "مجرد رہنا عزیمت ہے اور تاہل کی بھی رخصت ہے"۔

سلف صالحین کے سوانح اور ملفوظات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک تجرد عشقِ الٰہی کا لازمی نتیجہ ہے، لیکن مخصوص طبایع کے لیے، ہر کس و ناکس کے لیے نہیں، ع

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

دوسرے الفاظ میں ؎

ہر کرا باشد ز یزداں کاروبار
یار آنجا یافت، بیروں شد ز کار

ملفوظات

فرمایا: "اسباب آرام و آسائش کے جھگڑے میں انسان عہد میثاق کو بھول جاتا ہے"۔ "عاشق صادق کی تعریف یہ ہے کہ عاشق روح بلا نفس رہ جائے اور جب تک اُس میں نفس انفسانی خواہشات کا غلبہ ہے وہ عشقِ الٰہی کا مزہ نہیں چکھ سکتا"۔

فرمایا: "تسلیم و رضا بی بی فاطمہ رض اور حسنین علیہم السلام کا حصہ ہے"۔ "تسلیم و رضا اہلِ بیت کے گھر کی لونڈی ہے"۔ "ہمارا مشرب عشق ہے جس میں انتظام حرام اور رضائے شاہدِ حقیقی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا فرض عین ہے"۔

فرمایا: "جو تم سے محبت کرے اس سے محبت کرو، مگر کسی کے حق میں دُعا کرو نہ بد دُعا"۔ اکثر فرمایا کرتے "دُعا اور بد دُعا کرنا مشرب رضا و تسلیم کے

خلاف ہے" فرمایا۔ "فقیر نہ دوست کے لیے دُعا کرتا ہے نہ دشمن کے واسطے بددُعا" اپنے غلامانِ خرقہ پوش کو ہدایت فرماتے کہ "فقیر کو چاہیے گنڈا اور تعویذ نہ کرے" فرمایا "بامِ حقیقت کا زینہ محبت ہے اور "فرشتوں کو محبت جزوی دی گئی اور انسان کو محبت کامل مرحمت ہوئی" نیز فرمایا "جو محبت میں برباد ہوا وہ حقیقت میں آباد ہوا"

فرمایا "معشوق کے سامنے عاشق ایسا بے اختیار ہو، جیسے غسّال کے ہاتھ میں مُردہ"

فرمایا "عاشق کا وظیفہ ذکرِ یار ہوتا ہے" نیز "جس کو اپنی خبر ہے وہ عشق سے بے خبر ہے" "عشق (الٰہی) وہی ہے جو کسب سے نہیں حاصل ہوتا۔"

فرمایا "مرجانا مگر سوال نہ کرنا" "توکل طمع کی ضد ہے" "توکل حیا کی علامت ہے" "سات فاقوں کے بعد بھی سوال نہ کرنا۔" (حیاتِ وارث ص ۲۱۹)۔

"وعدہ کرو تو ایفا کرو" "حریص حرمانِ نصیب اور محروم رہتا ہے" "حاسد ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے" "بغض رکھنے سے اپنا نقصان ہے کہ بغض کی کثافت قلب کی لطافت کو خراب کرتی ہے" "انسان کو چاہیے کہ زمین کی خاصیت اختیار کرے کہ سب کا بوجھ اُٹھائے اور اپنا بار کسی پر نہ ڈالے" "گمنامی کو دوست رکھو اور شہرت سے بچو" "نفس امارہ کے خلاف عمل کرنا عبادت ہے" "رنج پہنچے تو صبر کرو، راحت پہنچے تو شکر کرو"

شاہ لطیف بھٹائیؒ

قرآنِ حکیم ایک مقدس کتاب ہے، سرچشمہ علم و عرفان ہے، بلاشبہ وحیٔ الٰہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نازل ہوا جس کا مقصد وحید عالمِ انسانیت کے لیے ہدایت و فیضان ہے، قرآن حکیم مجموعہ ہے، الفاظ کا جس کے جاننے والے حفاظ کہلائے، مجموعہ ہے معانی کا جس کے جاننے سمجھنے والے علماء کہلاتے ہیں نیز قرآن حکیم مجموعہ ہے آثار کا جس کے حامل اولیاء اللہ گردانے جاتے ہیں، دوسرے الفاظ میں حافظ قرآن، "صاحب لفظ" ہوتا ہے، عالم قرآن، "صاحب معنیٰ" ہوتا ہے اور عامل قرآن، "صاحب اثر" ہوتا ہے۔

"اثر" کی دو قسمیں ہیں سلبی اور ایجابی نیز "اثر" کا انحصار صحبت پر ہے اگر اخیار کی صحبت اختیار کی جائے گی تو خیر مرتب ہوگا، اس کے برعکس ہو تو شر مرتب ہوگا، کیوں کہ الصحبۃ مؤثرۃ، صاحب اثر، یا صاحب نظر، ولی ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے ایک شخص حافظ بھی ہو، عالم بھی ہو اور ولی بھی ہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ جو نرا حافظ ہو

وہ ولی بھی ہو، کیونکہ لفظ بغیر معنی کے بے کار ہے اور معنی بغیر اثر کے نادر الوجود۔

قرآنِ حکیم میں اولیاء الرحمٰن جن معانی میں آیا ہے اس سے مراد مروجہ اصطلاح اہل تصوف نہ لی جائے کہ ولی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس سے غیر معمولی کراماتیں صادر ہوں، بلکہ ولی اور عارف کامل سے ہماری مراد اور مفہوم ایسی شخصیت ہے جو خُدا پرستی اور نیکوکاری کے خوب صورت سانچے میں ڈھلی ہو اور اسلام، ایمان اور احسان کے مرحلہ ہائے شوق کو بخوبی طے کر کے "تخلقوا باخلاق اللہ" کے رنگ میں رچی بسی ہو، جس کی نگہ کی تیغ بازی سے ہمارے دل و نگاہ کا زاویہ بدل جائے اور جس کی خُدا دوستی، خدا طلبی اور خدا اعتمادی سے اور اس کی شرفِ صحبت سے اس کی شخصیت کی خوشبوئے خُدا پسندی سے ہم اپنی اصلاح کر سکیں۔

آج ہم سرزمین سندھ کے حافظ قرآن، عالم معانی و معارف قرآن نیز صاحب اثر، عارف کامل حضرت شاہ سید عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر کر رہے ہیں تاکہ ہم ان کی غیر معمولی اور عظیم شخصیت کی روشنی سے زندگی کی نمود میں مہمیز کا کام لے سکیں اور زندگی میں جو ذوقِ سفر کا دوسرا نام ہے ہم شوقِ طلب میں آگے قدم بڑھا سکیں۔

شاہ لطیف رح بھٹائی کا خاندانی سلسلہ یہ ہے کہ سید عبداللطیف رح بن سید حبیب بن سید عبدالقدوس بن سید جمال بن سید عبدالکریم رح بلڑی والے، بعض مورخ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب سید عبدالکریم بلڑی والوں کے پوتے تھے، اور بعض کی رائے ہے کہ پڑپوتے تھے، بہر صورت اس میں شک نہیں کہ شیخ سید عبدالکریم بلڑی والے بزرگ، پرہیزگار اور متدین انسان تھے، مٹیاری سے بلڑی میں تشریف لائے۔

حضرت مخدوم نوح رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی رابطہ خاصا استوار رہا، اس کے بعد بلڑی کے مقام پر مستقل سکونت فرمائی۔

حضرت شاہ عبدالکریم (بلڑی) کے تین بیٹے تھے سید وارثؒ، سید واسع، اور شاہ حبیبؒ، شاہ حبیب جب بڑے ہوئے تو اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر ہالہ تحصیل میں مقام "وسن" کے قرب وجوار میں آن کر آباد ہوئے، اور ان ہی کے نام سے یہ گاؤں مشہور ہوا، اب اس بستی کے کھنڈرات ہی دکھائی دیتے ہیں، یہاں ان کے گھر ۱۱۵۲ھ بمطابق ۱۶۹۰ء میں ایک فرزند پیدا ہوا، جس کا نام نامی سید عبداللطیف تجویز کیا گیا۔ یہ بقول اہل سندھ "جائیندی جام" (پیدائشی طور پر ہی وہ سردار تھے) ولادت سے لے کر عنفوانِ شباب تک شاہ صاحب غیر معمولی فوق الفطرت تصرفات وکرامات کے امین اور اسرار ورموز الٰہیہ کے حامل تھے۔

شاہ لطیف ابتدائے شعور ہی سے خلوت پسند، کم آمیز، اور دیر آشنا تھے۔ وہ عشق مولائے کریم میں ہمیشہ سرشار و مدہوش رہتے تھے، صحو کی بجائے سکر و جذب کا غلبہ رہا کرتا تھا اور کیف ومستی کے عالم میں رہا کرتے تھے، عشق الٰہی آپ کی گھٹی میں ازل سے پڑا ہوا تھا۔ طبیعت کی یہ بے قراری اور کرب انھیں اشیاء کی معرفت اور روحانی رازوں کے حل وکشائش میں سرگرم رکھتی اور آپ خدائے بزرگ و برتر سے محبت کے ساتھ اس کی مخلوق سے محبت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شاہ عبداللطیفؒ جوانی کے عالم میں مرزا بیگ (مغل) کی صاحب زادی حسین دوشیزہ کی زلفوں کے اسیر ہوئے، وہ تحصیل ہالہ میں سانگڑہ نہر کے کنارے رہتی تھی، شاہ صاحب کا یہ مجازی معاشقہ جو اک دن حسن حقیقت کی طلب گاری

اور وارفتگی کا پیش خیمہ تھا، دن دونی رات چوگنی ترقی پر تھا، آخر شاہ صاحب کے ذہن میں تجویز آئی کہ اس فتنہ پرداز، خوب رو، حسینہ کے والد مرزا بیگ سے اس کا رشتہ طلب کیا جائے۔ چنانچہ رشتہ کیا گیا لیکن مرزا بیگ نے جو کلہوڑوں کے عہد سے قبل حکومت کرتا تھا، اپنے تمول اور ثروت پر گھمنڈ کی بناء پر اس نے اس رشتہ کو ناپسند کیا اور شاہ صاحب کی عسرت و افلاس سے بھرپور زندگی پر اُلٹا خندہ زن ہوا، اس نے رشتہ استوار کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

یہ روایت مشہور زبان زد خاص و عام ہے کہ شاہ صاحب نے سانگھڑی لب بحر کے کنارے ایک ریت کے ٹیلے پر ڈیرہ ڈال دیا اور وہیں کچھ عرصہ عالم سوز و ساز میں گزارے، کسی کو بھی ان اسرار الٰہیہ کی خبر تک نہیں تھی۔ البتہ ایک گڈریا "جام" نامی شاہ صاحب کی خدمت اقدس میں آیا جایا کرتا اور خدمات بجا لاتا، شاہ صاحب نے اپنی اسی ابتدائی دور کی واردات اور کیفیات قلبی کو اپنے اشعار میں اس انداز سے بیان کیا ہے یعنی کہ یہ شب و روز میرے لیے جانکاہ ثابت ہوئے ہیں، میں نے خون جگر پی کر اور خون کے آنسو رو رو کر اس راہ عشق کی صعوبتوں اور تکالیف کا مقابلہ کیا ہے، اس راہ محبت کی مشکلات، ابتدار عشق میں بہت بڑی نظر آتی ہیں۔

لیکن اب میں ان مصائب و آلام کا خوگر ہو چکا ہوں اور اب ایسا محسوس ہوتا ہے گویا کہ یہ تو معمولی کانٹے ہیں جن کی چبھن کا کوئی خاص احساس بھی نہیں ہوتا، جب تک مجھ میں سانس ہے میں اپنے محبوب کی طلب گاری اور جستجو سے باز نہیں آؤں گا۔"

شاہ بھٹائی کے والد ماجد سید حبیب شاہ صاحبؒ انھیں سانگڑی نہر کے کنارے اس ٹیلے سے جہاں شاہ صاحب نے قیام کیا تھا واپس لائے اور انھیں جو حالتِ جذب میں گرد و غبار سے اَٹے ہوئے تھے غسل کرایا، اسی اثناء میں شاہ صاحب سے غیر معمولی خارقِ عادات کرامات صادر ہوئیں اور شاہ صاحب نے اپنی معنوی اور روحانی تصرفات سے مخلوق کی بے لوث خدمت کی۔ وہ کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے اس راہ خداطلبی و حق پرستی کے مصائب و تکالیف سے دوچار ہونے کے باوجود ثابت قدم، صاحب استقامت اور اولی العزم رہے۔ وہ اپنی شانِ استغناء کی وجہ سے اہلِ دولت، اہلِ ہوس سے بے نیاز رہ کر اہلِ دل کے زمرۂ لایحزنون کے نمائندے بن گئے اور خلقِ خدا کو فیضان پہنچاتے رہے اور رشد و ہدایت کا یہ سرچشمہ آپؒ کی وفات کے بعد آپؒ کے عارفانہ کلام "شاہ جو رسالو" کے ذریعہ تاہنوز جاری ہے۔

مہران کی سرسبز و شاداب وادی کے گل سرسبد شاہ لطیف بھٹائی کے اشعار، کافیوں اور ابیات کا یہ علمی تحفہ "شاہ جو رسالو" کے نام سے مشہور ہے۔ موصوف کے خادم اور مرید خاص فقیر تمر نے جو کاتب خاص بھی تھا، ان کا کلام قلمبند کیا ہے، فقیر تمر کے علاوہ شاہ صاحب کے ایک اور مزاج شناس مرید سید بلال نامی بھی تھے۔ جنھیں انھوں نے اپنا متبنیٰ بنایا تھا اور وہ ہمہ وقت آپ کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ سید بلال بھٹ شاہ سے دو میل کے فاصلے پر سانگڑہی نہر کے کنارے رہا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ شاہ صاحب لاولد تھے، جہاں تک شاہ صاحب کے حقائق و معارف سے بھرپور کلام، شاعری کے فروغ اور مقبولیت کا تعلق ہے

شاہ صاحب کے "شاہ جو رسالو" کی غیر معمولی مقبولیت اور ہر دل عزیزی نے عوام و خواص کے دلوں کو موہ لیا، خصوصاً سرزمین سندھ، کے عوام ہاری، کاشت کار، زمیندار نیز علماء ——————————— اور اہل نظر کے علاوہ عوامی، علاقائی گیتوں کے روپ میں فن کاروں اور قوالوں نے اسے محافل سماع کے ذریعے زیادہ سے زیادہ پھیلایا۔

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کا عارفانہ اور درویشانہ کلام جس کا ہر بول محبت کے کیف اور عشق کی حلاوت میں ڈوبا ہوا ہے۔ دکھی دلوں کے درد کا مرہم ہے، خصوصاً مضافات سندھ کے ہر بچے، بوڑھے اور جوان کو ازبر ہے، یہاں تک کہ تھرپارکر کے چولستانی علاقہ میں بکریاں چرانے والے گڈریوں، بھیڑوں کے چرواہوں اور اونٹوں کے ساربانوں تک کو ان کا کلام یاد ہے اور انسانی قلوب پر پتھر کی لکیر بنا ہوا ہے۔

شاہ صاحبؒ ممدوح چونکہ لاولد تھے اور آپ کی معنوی اولاد، مریدین و معتقدین کے سوا کوئی ظاہری اولاد نہ تھی اس لیے آپ کے بعد آپ کی خانقاہ کے مسند نشین سید جمال شاہ کے خاندان سے ہوئے جو شاہ حبیبؒ کے بھتیجے تھے۔

ایک مشہور کرامت

شاہ لطیف بھٹائی جب بھٹ میں اپنے مریدین و متوسلین کے ساتھ مستقل طور پر مقیم ہوئے تو آپ کے حلقہ کے فقراء اور درویش راگ الاپتے، طنبورے اور دیگر سازوں سے اپنی جمعیت خاطر کا سامان بہم پہنچاتے، ان راگ رنگ کی مجالس کا علم، ٹھٹھہ کے مفتیِ اعظم مخدوم معین الدین کو ہوا، (جو "مخدوم ٹھارو" کے نام سے مشہور تھے)

تو مخدوم ٹھٹھوی رختِ سفر باندھ کر حضرت شاہ صاحب کے آستانۂ اقدس پر حاضر ہوئے کہ شاہ صاحب کو "سماع" سے (جس کا بنیادی عنصر موسیقی ہے جو بقول مولانا ابوالکلام آزاد شرعاً جائز اور قانوناً منع ہے، بحوالہ مکاتیب "غبارِ خاطر") روکیں۔ یہ بات شاہ صاحب کو کشف سے معلوم ہو گئی تو انھوں نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ مفتی مخدوم ٹھارو، نگر ٹھٹھہ سے فتویٰ دینے آ رہے ہیں لہٰذا سب مزامیر، طنبورے اور آلاتِ موسیقی آپ نے محفل خانے سے اٹھوا کر ایک کمرے میں رکھوا دیئے اور تالا لگوا دیا۔ جب مخدوم ٹھارو وہاں آئے تو انھوں نے اس کمرہ میں سے سازوں کی آواز محسوس کی، پوچھا ساز کون بجا رہا ہے! شاہ صاحب نے فرمایا، "جب شکستہ دل اور ع

کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست

قسم کے لوگ آپس میں باہم مل کر غم گساری کرتے ہیں تو تب لکڑیاں بھی آہ و فغاں کرتی ہیں "یا کریم یا کریم"، اور رجالوں کی رگیں بھی "تو ہی تو" کا ذکر کرتی ہیں۔ وہی آہ و فریاد کرتے ہیں جو کافی عرصہ جُدائی کے بعد آپس میں ملے ہوں، شکستہ دل اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق ہیں جو شکایت کرتے ہیں مگر جن درد سے ان کے دل بھرے ہوئے ہیں اس کا اظہار نہیں کرتے وہ اپنے دل کا دھواں، بھاپ اور بھڑاس بھی نہیں نکالتے، محض سوزِ عشق کے عالم میں اپنے مقصود کی طلب میں مشغول ہیں۔"

شاہ صاحبؒ کے ان الفاظ نے مخدوم ٹھارو کے دل پر ایک عجیب اثر ڈالا اور وہ شاہ صاحبؒ کے مرید ہو گئے۔ مخدوم معین الدین ٹھٹھوی اور

شاہ صاحب تقریباً ہم عمر تھے۔

جب شاہ لطیف صاحبؒ جوان تھے تو آپ ٹھٹھہ جاکر مخدوم موصوف کا وعظ سنا کرتے تھے، شاہ صاحب اکثر ساحی فقراء کا لباس زیب تن فرمایا کرتے اور پسند فرماتے۔

شاہ صاحب نے ۶۳ (ترسیٹھ) برس کی عمر میں وفات پائی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حالانکہ آپ کسی مرض میں مبتلا نہیں ہوئے، تاہم آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے بھٹ میں دفن کیا جائے اور اسی گنبد والی مسجد کے قریب جس کی تعمیر شاہ صاحب نے خود اپنے ہاتھوں سے کی تھی آپ مدفون ہوئے۔ سکھر کے مشہور حاکم رازی عیدن نے غلام شاہ کلھوڑے کے حکم سے شاہ صاحب کا مقبرہ تیار کرایا، (۱۱۶۷ھ بمطابق ۱۷۵۳ء) دوسری قبریں آپ کے خاص خدام اور فقراء کی ہیں، اور آپ کے خاندان کی قبریں بھی آپ کے مزار مقدس کے قریب ہیں۔ خیرپور میرس کے لونگ فقیر نے (جو شاہ صاحب کا خاص عقیدتمند اور مرید تھا) بھٹ شاہ میں ایک کنواں کھدوایا ہے اس کے بعد شاہ صاحب کے سجادہ نشینوں کے علاوہ سندھ کے میروں اور رئیسوں نے فقراء اور زیارت کرنے والوں کے لیے رہائش گاہیں بنوائی ہیں۔

الغرض شاہ صاحب غیر معمولی خوبیوں اور بڑی صفات حمیدہ کے مالک تھے۔ آپ کا عارفانہ کلام انسانی زندگی کے لیے ایک مستقل پروگرام اور پیغام ہے جس میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی تکمیل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ چونکہ شاہ صاحب نظریہ وحدۃ الوجود کے قائل تھے اس لیے ان کا کلام

خدا پرستی اور نیکوکاری کے ساتھ ساتھ انسانیت دوستی کی بھی دعوت دیتا ہے اور ہر قسم کے مذہبی تعصب، تنگ نظری اور منافرت سے بلند و بالا ہے۔ ان کا کلام انسانوں سے باہمی خلوص و محبت نیز ہمدردی پر آمادہ کرتا ہے۔ نیز ان کے کلام اور پروگرام کا تعلق نہ کسی عارضی دور سے تھا نہ ہی کسی خاص حلقہ اثر سے متعلق تھا۔ بلکہ بقول ڈاکٹر ایچ۔ ٹی شورلی "شاہ لطیف کا کلام اس قابل ہے کہ اس سے ہر شخص فائدہ اُٹھائے"

لیکن افسوس ہے کہ شاہ صاحب کا کلام جس زبان سندھی میں ہے اسی زبان کے جاننے والے تک شاہ صاحب کی تعلیمات اور ان کے عارفانہ کلام کی عظمتوں سے ابھی تک بے بہرہ ہیں۔ اب ہم آخر میں شاہ صاحبؒ کے کچھ ملفوظات درج کرتے ہیں۔

ملفوظات شاہ لطیف بھٹائیؒ

دغا اور مکر و فریب سے دُور رہو، ورنہ تم محض نام کے مسلمان کہلاؤ گے۔ جھوٹ کبھی بھی نہ بولو، اپنے دوستوں کے گھر بار بار مت جاؤ کیوں کہ یہ ہلکا پن اور تمھاری عزت و وقار کے خلاف ہے۔ یہ پڑوسیوں کے لیے بے محل گفت گو کا موقع بہم پہنچاتا ہے۔

یہ دُنیا فانی ہے، بالآخر رب واحد ہی کی طرف لوٹنا ہے، اس لیے دُنیا کی عارضی لذتوں پر ریجھ کر تم آخرت کو فراموش نہ کردو، اس دُنیا میں زبانی طور پر ہر شخص تمہارا دوست کہلاتا ہے، لیکن آڑے وقت میں وہ ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں خلوص اور قربانی کا مادہ لوگوں میں مفقود ہو گیا ہے۔

اگر تم چاہتے ہو کہ شہرت اور ناموری حاصل کر کے سُرخ رو اور کامیابی سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے سدھارو، تو خود غرضی اور بغض و کینہ سے اپنا دل پاک رکھو۔

دُنیا میں زندہ رہو گو، جتنا وقت تمھیں ملتا ہے اسے ضائع مت کرو، بلکہ اپنے دینی اور دُنیاوی فرائض بجالاؤ، گزرا ہوا وقت دوبارہ لوٹ کر نہیں آتا۔ اس لیے اپنا فرض وقت پر سرانجام دیتے رہو، تاکہ پچھتاوے کے دن (روزِ حشر) تمھیں پچھتانا نہ پڑے، دُعا اور عبادت اگر تم کثرت سے نہیں کر سکتے تو تھوڑی ہی کر لیا کرو، یہ غفلت اچھی نہیں ہے، بُرے لوگوں کی صحبت سے کنارہ کش رہو، ورنہ بُروں کی بُری عادتیں اپنا کر تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے، مصائب و آلام میں بلند حوصلہ رہو اور صبر و بردباری سے کام لو، گھبرانے سے کام بگڑ جاتے ہیں۔ مصیبت زدہ کی وہی مدد کرتا ہے، جس میں جذبہ ایثار و قربانی بھرا ہوا اور بنی نوع انسان کی بے لوث خدمت کا مادہ رکھتا ہو ورنہ عام طور پر سب لوگ اپنے ذاتی مفاد ہی کے لیے کوشاں ہیں۔

قضا و قدر کے سامنے انسان بے بس ہے، تقدیر کے آگے تدبیر بے کار ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو بھی عطا ہو اس پر راضی بہ رضا رہو، حسب و نسب اور اپنی نسل پر فخر نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی فضیلت اور رُتبہ جسے چاہے بخش دے وہ قادرِ مطلق اور غالب کل ہے۔

○

مخدوم محمد جعفر بوبکانیؒ

قرآن و حدیث و اجماعِ امت نیز قیاس کی روشنی میں استنباطِ مسائل کا اصطلاحی نام فقہ ہے۔ تفقہ فی الدین کی غیر معمولی اہمیت، نصِ قطعی سے ثابت ہے، حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے، طائفۃ لیتفقھوا فی الدین (القرآن) سرورِ کائنات رنگ و بو صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے، من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین (الحدیث) قوانین و احکامِ خداوندی کے اخذ و نفوذ کا، معرفت شریع کا نام فقہ ہے، فرض، واجب، مندوب، مکروہ، مباح اور مستحسن یہ خاص مصطلحات ہیں جو تکلیفِ شرعی کے نظام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اہل فقہ استعمال کرتے ہیں۔

بقول علامہ محمد بن احمد سرخسیؒ "فقہ اور شریعت کا علم ہی خیرِ کثیر و حکمت ہے"۔

سندھ میں فقہ و اصولِ فقہ کے فن میں مخدوم محمد جعفر بوبکانی رح سندھی کی شہرت اور علمی وجاہت اہل فکر و نظر سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، مخدوم بوبکانیؒ صوبۂ سندھ کے موجودہ ضلع دادو کی ایک مردم خیز مشہور بستی بوبک کے باشندے

تھے۔ بوبک سندھ کے مشہور بزرگ قلندر شہباز رح کی خانقاہ سیوہن کے شمال میں چند میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے، بوبک کی وجہ تسمیہ مخادیم بوبک کے جد اعلیٰ مخدوم ابوبکر رح سے منسوب ہے، بوبک کے مخدوموں کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا عباس رض سے جا کر ملتا ہے۔ اسی خانوادۂ عباسیہ کے مخدوم عبدالکریم المعروف مخدوم میران بوبکانی رح کے صاحبزادے مخدوم جعفر بوبکانی رح ہیں، مخدوم میران بوبکانی رح اپنی ذات سے اک انجمن تھے اور اپنے عہد کے ہم عصر علماء میں عبقری اور نابغۂ گیتی تھے۔ موصوف کے ارشد تلامذہ میں علامہ طاہر بن یوسف باتری سندھی رح اور مولانا محمد عثمان بن عیسیٰ ثم برہانپوری رح ——— البوبکانی رح اور دیگر شاگردوں کے علاوہ مشہور اہل علم و فضل ہیں۔ نیز میرزا حسن بیگ ارغون بھی مخدوم میران رح کے شاگرد عزیز ہیں۔

تاریخ سندھ کے حوالے سے نزہۃ الخواطر کے فاضل مصنف رقم طراز ہیں کہ " مخدوم محمد جعفر بوبکانی رح کے والد شیخ فاضل میراں بن یعقوب التتوی[1] ثم البوبکانی رح عالم باعمل، عارف حق اور تدریس کے شائق تھے، اکثر لوگوں نے اُن کی علمی وقیع شخصیت سے خوب استفادہ کیا، ۹۴۹ھ میں فوت ہوئے، اُن کی تاریخ وفات " علامۃ وارث الانبیاء " سے نکلتی ہے۔ ٹھٹھہ میں اُن کی قبر ہے جو جبل مکلی پر ہے۔"[2]

مخدوم محمد جعفر بوبکانی رح نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم اپنے والد مخدوم میران بوبکانی رح سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ اپنے دور کے دیگر اکابر علماء و مشائخ سے

---

[1] ٹھٹھہ میں فوت ہونے سے تتوی کہلائے۔ [2] نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۳۷۰

بھی استفادہ کیا، ممدوح نہ صرف علوم شرقیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، اس کے علاوہ مختلف علوم و فنون مثلاً حکمت و فلسفہ طب و نجوم جفر و رمل میں بھی ماہر تھے۔ لیکن زندگی کے آخری ایام میں اُنھوں نے پوری توجہ اور انہماک کتب حدیث و تصوف کے مطالعہ میں صرف کردی۔

لطف کی بات ہے کہ تصوف کی کتابوں کے مطالعہ کے شغف کے ساتھ ساتھ امام ابن تیمیہؒ کی تحقیقات اور اصابت رائے سے خاصے متاثر ہوئے، مخدوم جعفر بوبکانیؒ کی تصانیف سے اس امر کا ثبوت بخوبی ملتا ہے۔

مخدوم محمد جعفر بوبکانیؒ کی سوانح کے بارے میں مفصل کوائف اور حالات ہمیں دستیاب نہیں ہو سکے۔ تاہم اُن کے ہم عصر تذکرہ نگاروں نے چند سطریں لکھ کر معاصرت باعث منافرت کو بالائے طاق رکھا ہے۔ چناں چہ تاریخ السندھ کے مصنف سید محمد معصوم ابن سید صفائی بکھریؒ نے چند سطور لکھی ہیں کہ "مخدوم جعفر کہ یکے از علماء سند بودہ، از میرزا عیسیٰ ترخان نقل می کردند کہ دریں تاخت ہزار شتر از جہ خرمہائے باغات کہ (شب) کار میکردند بردند۔۔۔۔ ۲ھ

علیٰ ہذا القیاس تذکرہ غوثیہ گلزار ابرار، و مقالات الشعراء نیز تحفۃ الکرام کے مصنفین نے بھی چند سطور سے زیادہ مخدوم موصوف کا مزید ذکر نہیں کیا، تاہم نزہۃ الخواطر کے مصنف نے مخدوم جعفر بوبکانیؒ کے مشاہیر علماء سندھ میں ان کا اجمالی تذکرہ کیا ہے اور یہی لائق اعتماد اور قابل وثوق حوالہ ہے۔

اس کے علاوہ تحفۃ الکرام کے مصنف میر علی شیر قانع ٹھٹھویؒ (المتوفی سنہ ۱۲۰۳ھ) نے مخدوم جعفر بوبکانیؒ کی شخصیت پر چند سطور تحریر کی ہیں کہ "المخدوم محمد جعفر

ہ تاریخ معصومی۔ ص ۱۰۰ بہ تصحیح الکتوبر داؤد پوتہ

ابن المخدوم میران جامع الکمالات اور متبحر عالم تھے، نیز مخدوم نوح صدیقی، سہروردی کے ہم عصر تھے۔

ایک بار مخدوم نوحؒ نے کہا، کہ میں نے اپنے ربّ کو اپنی اِن دوآنکھوں سے دیکھا ہے؛ جواباً مخدوم جعفرؒ نے برملا فرمایا، جناب نوحؒ! آپ کو غلط فہمی اور غلط نظری ہوئی ہے۔ یہ معنوی معاملہ یوں نہیں ہے، جب آپ پہ حال طاری ہو، تو اپنے خادم خاص سے فرمائیے کہ وہ آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دے! اگر اسی حالت میں رویت باری تعالیٰ سے آپ مشرف ہوں تو کوئی بات بھی ہے؛ وگرنہ یہ رویت کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔

دراصل آپ نے بصارت سے نہیں، بصیرت سے اللہ نور السمٰوات والارض کے انوار وتجلیات کی ایک ادنیٰ جھلک اور جلوہ نہیں دیکھا ہے، مخدوم نوح ہالائیؒ، مخدوم جعفر بوبکانیؒ کے اس لاجواب، جواب سے مطمئن ہو گئے اور کہا مخدوم محمد جعفر اس معاملے کی حقیقت سے اگر نقاب کشائی نہ کرتے تو نوحؒ کافر ٹھہرتا۔" [1]

(حضرت مخدوم نوح ہالائیؒ سلسلۂ سہروردیہ کے مشائخ کبار میں ہیں۔ موصوف نے از رہِ تواضع و انکسار مندرجہ بالا تاثرات کا اظہار فرمایا ہے، مخدوم نوحؒ کی وفات ۹۹۸ھ میں ہوئی ہالا۔ سندھ میں مدفون ہوئے۔)

حضرت مخدوم جعفر بوبکانیؒ کی جلالت شان اور علمی عظمت نیز معارف تصوف واحسان سے بہمہ وجوہ آگہی کا یہ اعلیٰ ثبوت ہے، جہاں مخدوم موصوف فقہ و حدیث میں بے عدیل عالم تھے دیگر فنون کے علاوہ نیز نجات اور طلسمات میں بھی مہارت تامہ

---

[1] تحفۃ الکرام فارسی۔ مطبوعہ بمبئی۔ جلد ۳ صفحہ ۱۴۷

رکھتے تھے۔[1]

مخدوم جعفرؒ کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے، المتانتہ، (فی مرقتہ الخزانتہ) عجالتہ الطالبین اور فتح الدارین خصوصاً اہل علم میں مشہور اور متداول ہیں۔ بسا اوقات ادب و شاعری کی سرسبز و شاداب وادی میں بھی سیر و تفریح کے لیے آن نکلتے، ایک شعر ناظرین "فکر و نظر" کی ضیافتِ طبع کے لیے عرض ہے ؎

بہار، طرۂ دلدار طرفہ رنگی داشت

کہ آہوانِ حرم را بصید می آورد۔[2]

مخدوم بوبکانیؒ صاحب نے بحوالہ "گلزار ابرار" آخری عمر میں منطق و فلسفہ کی کتابیں تلف فرما دیں اور سفر و حضر میں احیاء العلوم، عوارف المعارف اور فصل الخطاب کتب تصوف کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے، دوسرے الفاظ میں ع

علم ہے ابن الکتاب اور عشق ہے ام الکتاب!

اور ع

خام بدم، پختہ شدم، سوختم!

تصانیف

مخدوم محمد جعفر بوبکانیؒ کی تصانیف مختلف علوم و فنون پر بہت ہیں، جن میں چند کا تذکرہ کرنا ناگزیر ہے۔

(۱) الصادق المنصف المحق بالدلائل التی ہی بالتقدیم احری و احق۔ (عربی)

اس کتاب میں من گھڑت اور موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، عوام بلکہ خواص تک میں جو روایات مشہور ہیں اُن پر تبصرہ اور تعمیری تنقید فرمائی ہے۔ اہل تصوف کی

---

[1] مقالات الشعراء۔ ص ۱۵۲ بہ تحقیق سید حسام الدین راشدی [2] ایضاً

کی بعض شخصیتوں پر بھی علمی انداز سے اپنے مجتہدانہ زاویۂ نگاہ سے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔

(۲) حاصل النہج، (فارسی)، اس میں علم، معلم اور متعلم کے بارے میں تفصیلات ہیں، سن تالیف ۱۰۹۷ھ ہے۔

(۳) نہج التعلیم (عربی) اس کے حوالہ جات مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ نے اپنی "بیاض ہاشمی" میں جا بجا دیئے ہیں۔ اب نایاب ہے۔

(۴) مجالسة الطالبین (عربی) اہل بیتؑ اور صحابۂ کرامؓ کے فضائل و مناقب نیز مختلف فقہی مسائل پر مشتمل ہے۔ اور بعض محدثین کی آراء سے علمی سطح پر اختلاف کرتے ہوئے کچھ موضوعات (ذخیرۂ احادیث) کا تذکرہ کیا ہے۔

(۵) فتح الدارین (فارسی) اس میں فقر اختیاری و اضطراری کا فرق اور فضلنا بعضھم علی بعض فی الرزق، (القرآن) کی روشنی میں معاشی نکتۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔

(۶) حل المعقود (عربی فقہ)۔ یہ نسخہ نایاب ہے، اس کا حوالہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ نے اپنی کتاب العنایة فی الفرق بین الصریح والکنایة۔ میں دیا ہے۔

(۷) المنازنة فی مرمة الخزانة (عربی) یہ کتاب قاضی جگن گجراتیؒ کی خزانة الروایات فی الفروع پر بحث، تمحیص نیز تشریح پر جامع تصنیف ہے، جو مخدوم محمد جعفر بوبکانیؒ کی فقہی بصیرت اور دینی حمیت کا ادنیٰ ثبوت ہے۔ بقول مولانا عبدالحیٔ لکھنوی، فرنگی محلی، "قاضی جگن گجراتی کی

خزانۃ الروایات فی الفروع - ہر قسم کے رطب ویابس مرویات وفقہی جزئیات کا مجموعہ ہے [1]

یہی وجہ ہے کہ مخدوم جعفر بوبکانی ؒ کی نگہ انتخاب نے اس کتاب کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا، الحاصل سرزمینِ پاکستان کے جہاں دوسرے صوبوں، صوبۂ سرحد، صوبۂ بلوچستان و صوبۂ پنجاب نے علماء و مشائخ پیدا کیے، صوبۂ سندھ بھی باب الاسلام ہونے کی وجہ سے زرخیزی کے علاوہ مردم خیزی کے لیے زمین شوریدہ ثابت نہیں ہوا۔ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

مولائے کریم موجودہ قحط الرجال کے دور میں ہمیں اسوۂ ابراہیمیؑ اور علماءِ حق و مشائخ و اولیاء الرحمٰن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ط

ع بر رسولاں بلاغ باشد و بس

(مطبوعہ روزنامہ جنگ، راولپنڈی)

---

[1] النافع الکبیر۔ ص ۱۲

ابن درید بصری رح

نام و کنیت امام موصوف کی کنیت ابو بکر، نام محمد بن حسن بن دُرید الازدی بصری ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد میں سے جو شخص اوّلاً اسلام لایا اس کا تعلق ان شتر افراد سے ہے جو عمان ہجرت کر کے حضرت عمرو بن العاص رض کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ انہی دنوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تھی۔ ابن اثیر نے اپنی تاریخ الکامل میں اس واقعے کو تفصیل سے لکھا ہے۔

ولادت خلیفہ معتصم باللہ کے عہد میں امام ابن دُرید کی ولادت سرزمین عراق کے مشہور شہر بصرہ کے محلہ صالح میں ہوئی۔ اُنھوں نے وہیں نشو ونما پائی اور تعلیم حاصل کی خصوصاً عربی ادب اور لغت نیز شعر و شاعری میں مشہور (بصرہ کے علماء کے علاوہ) علامہ ابو حاتم سجستانی نحوی سے خوب استفادہ کیا۔

ابن درید ان دنوں بصرہ میں مقیم تھے اور بلا شبہ وہ علوم و لُغت نیز ادب عربی میں امام تھے۔ نیز علم عروض میں غیر معمولی ماہر تھے۔ نیز بڑے زاہد، عبادت گزار

اور پارسا تھے۔ یومیہ ایک دینار بلا ناغہ صدقہ کیا کرتے اور ہر ہفتے میں ایک ختمِ قرآن کیا کرتے تھے۔ ان کی تصنیفات بہت ہیں۔

امام ابن درید کے شیوخ میں شیخ ابو الفضل عباس بن فرج ریاشی نحوی تھے۔ جو عالم باعمل اور عارف حق شناس تھے۔ نیز امام ابن درید کے اساتذہ میں سے اصمعی، اشناندانی وغیرہ مشہور علماء تھے۔

جب امام ابن درید علوم و فنون سے فارغ ہوئے تو عمان کی طرف ہجرت کی اور وہیں بارہ[۱۲] سال مقیم رہے۔ پھر بصرہ واپس لوٹے وہاں کچھ عرصہ گزار کر ایران کی جانب اپنا رختِ سفر باندھا۔ چنانچہ نیشاپور پہنچ کر وہاں کے امیر عباس اسماعیل بن عبداللہ بن محمد بن میکال کی تعریف میں قصیدہ لکھا اور خلعتِ فاخرہ اور غیر معمولی مادی منفعت سے مالا مال ہوا۔ اس قصیدے کے اشعار کی تعداد دو سو انتیس[۲۲۹] ہے۔ اس قصیدے کی شرح فقیہ ابی عبداللہ محمد نخعی نے لکھی ہے۔ اس کا ذکر ابو علی بیہقی نے اپنی کتاب "النتف والطرف" میں کیا ہے۔

امام ابن دُرید نے کتاب الجمہرہ امیر ابو العباس کی فرمائش پر تصنیف کی اور اسے قصیدہ مقصورہ لکھنے پر دس ہزار درہم ملے۔

جب ابن میکال معزول ہو گیا تو امام ابن دُرید خلیج فارس سے ہجرت کر کے سرزمینِ عراق کے دار الخلافہ بغداد پہنچا۔ یہ ۳۰۸ھ کی بات ہے۔

بغداد میں ان کا قیام علی بن محمد خوارزمی کے پڑوس میں رہا اور خوارزمی نے ابن دُرید سے بڑا اچھا سلوک کیا۔ پھر خوارزمی کے ذریعے امام ابنِ دُرید کی رسائی خلیفہ

مقتدر باللہ کے دربار تک ہوئی۔ جو امام ابن دُرید کے علم و فضل سے خاصا متاثر ہوا اور اس کے لیے پچاس دینار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا جو موصوف کی وفات تک ملتا رہا۔ ابن دُرید ادب عربی اور لغت کے امام نیز اپنے عہد کے شعراء کے کلام اور دواوین کے حافظ اور نقاد تھے۔

خطیب بغدادی کی رائے ہے کہ امام ابن دُرید سے زیادہ لُغت عربی میں اور کسی کا مقام نہیں۔ اس دَور کے ادیب اور شاعر ابن دُرید کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے تھے۔

کچھ اہل علم باہمی تبادلۂ خیالات کر رہے تھے کہ سیر و تفریح کے لیے عراق کے سرسبز شاداب خطّے میں وہ کون سے مقامات ہیں جہاں جاکر دماغ کا عیش اور تفریح کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ حُسنِ اتفاق سے امام ابن دُرید بھی اس مذاکرہ میں موجود تھے۔ کچھ لوگوں نے کہا۔ بہترین تفریح گاہ غوطۂ دمشق ہے۔ دوسروں نے کہا بہترین سیرگاہ نہر ابلا ہے۔ ایک تیسرے گروہ نے کہا کہ نہیں نہیں سغد (سمرقند) کا مقام سب سے بہترین اور خوب صُورت ہے۔ نیز بعض لوگوں نے کہا کہ نہروان سب سے اچھی جگہ ہے اور کچھ لوگوں نے کہا نوبہار اور بلخ سب سے اچھی جگہ ہے۔ پھر ابن درید نے کہا یہ سیرگاہیں چشموں اور دریاؤں سے تعلق رکھتی ہیں، میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ دلوں کی تفریح گاہیں کہاں ہیں؟

سب نے حیران ہو کر کہا: اے ابی بکر! وہ کون سی ہیں اور کہاں ہیں؟ امام ابن درید نے کہا امام قتیبی کی کتاب عیون الاخبار، ابن داؤد کی کتاب الزہرہ، ابن ابی طاہر کی کتاب قلق المشتاق۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عُلوم و فنون واقعی

دل و دماغ کے لیے بہترین تفریح گاہیں ہیں۔

امام ابنِ دُرید کی جہاں تک علمی حیثیت اور عظیم شخصیت کا تعلق ہے وہ علم و ادب کے شائق اور سنجیدہ علمی و ادبی کتابوں کے خاصے رسیا تھے۔ وہ صاحبِ فضل و کمال ہونے کے باوجود علم و ادب کے دلدادہ اور نئی نئی کتب کے بقول متنبی ؎

وَخَیْرُ جَلِیْسٍ فِی الزَّمَانِ کِتَابٌ

کا مصداق تھے۔

ابو طیب لغوی نے اپنی کتاب "مراتب النحویین" میں امام ابن درید کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن درید کی شخصیت اہل بصرہ میں عربی شعر و ادب کی روشنی میں ایک عظیم مبصر اور غیر معمولی فاضلِ اجل کی ہے۔ ابن درید کا سینہ لغتِ عربی کا گنجینہ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ علماء میں سب سے زیادہ فنِ شاعری اور لغتِ عرب میں شہرت اور ضرب المثل کے طور پر ابن دُرید کا نام سرِ فہرست ہے۔

امام ابنِ دُرید کہتے ہیں کہ میں جب بصرہ سے روانہ ہوا تو راستے میں ایک پُرانی حویلی سے گذر ہوا، جسے گردشِ لیل و نہار نے خراب و خستہ کر دیا تھا اور وہ پُرانے کھنڈرات کے رُوپ میں نظر آتی تھی۔ چنانچہ میں نے اس کی دیوار پر یہ شعر لکھا ؎

اصبحوا بعد جمیع فرقا

وکذا کل جمیع مفترق

کچھ عرصے کے بعد میرا وہاں سے گذر ہوا تو میں نے دیکھا کہ میرے شعر کے نیچے کسی اور باذوق آدمی نے ایک اور شعر ٹانک دیا ہے ؎

ضحکوا والدھر عنھم صامت　　ثم ابکاھم ودماً حین نطق

سیرت وکردار

امام ابن دُرید متقدمین شعراء ادب کے خاصے کلام کے حافظ تھے۔ حاضر جوابی اور گفتگو کے فن میں نیز علمی مناظرے میں خاص ملکہ اور استعداد کامل رکھتے تھے۔ نیز علم معانی و بیان میں ماہر تھے۔ ذاتی طور پر بڑے فراخ ظرف اور فیاض طبع تھے۔

امام ابن دُرید کے متعلق ایک مشہور واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک سائل آیا اور اس نے دستِ سوال دراز کیا لیکن سوءِ اتفاق سے ان کے گھر میں سوائے ایک سیر نبیذ کے اور کچھ نہیں تھا۔ ابن دُرید نے اپنے نوکر سے کہا کہ اس سائل کی جھولی بھر دو۔ نوکر نے کہا کہ میں کیا کرسکتا ہوں، گھر میں تو کوئی چیز از قسم خورد و نوش موجود نہیں ہے۔ امام موصوف نے نوکر کے جواب میں یہ قرآنی آیت تلاوت کی۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ، یہاں تک کہ غروبِ آفتاب سے قبل ان کے پاس دس سیر نبیذ جمع ہو گیا۔ چنانچہ ابن درید نے اپنے نوکر سے کہا کہ میں نے ایک سیر نبیذ کا صدقہ کیا تھا، قدرت نے مجھے دس سیر نبیذ سے نوازا۔

ابن دُرید کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ وہ کثرت سے شراب نوشی کیا کرتا تھا اور اکثر اسے نشہ کی حالت میں دیکھا گیا۔ یہ تسلیم کہ اس کی یہ مے نوشی کی عادت معایب میں سے ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی علم و ادب میں شہرت اور فضیلت کے منافی نہیں ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے اُنْظُرْ اِلٰى مَا قَالَ لَا اِلٰى مَنْ قَالَ۔ نیز شریف لوگ کسی کی خامیاں اور عیوب نہیں دیکھا کرتے بلکہ وہ ہر آدمی کی خوبیوں کو دیکھا کرتے ہیں۔ تاہم ہم

دُعا گو ہیں کہ خُداوند تعالیٰ ابن دُرید کے اس گناہ کو بخش دے۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ امام موصوف علم و ادب کے بحرِ ناپیدا کنار تھے۔ بصرہ، ایران اور بغداد کے بہت سے علماء اور ادیبوں نے ان سے علم سیکھا اور کثرت سے ان سے روایتیں کیں۔

ان کے مشہور شاگردوں میں سے علی بن حسین ابو الفرج اصبہانی صاحب کتاب الاغانی ہیں اور مشہور غیر معمولی علم نحو میں جس میں اہلِ بصرہ کو مہارت کا دعویٰ ہے۔ امام ابو یوسف سیرانی بھی ان کے شاگرد ہیں۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ اُنھوں نے علمِ لُغت اپنے استاد ابنِ دُرید سے حاصل کیا۔ سیرافی نے علمِ نحو کی مشہور کتاب سیبویہ کی شرح بھی لکھی ہے اور امام ابو علی اسماعیل بن قاسم قالی بھی امام ابنِ دُرید کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں جو کہ لغت ادب کے مشہور ائمہ میں سے ہیں۔

تصانیف امام ابن درید کی تصانیف مختلف علوم و فنون میں کثرت سے ہیں، جو اہلِ علم میں مشہور ہیں۔ کتاب الجمہرہ فنِ لغت میں المجتنیٰ عربی ادب میں کتاب الامالی و کتاب السرج و اللجام و کتاب اشتقاق الاسماء و کتاب غریب القرآن (نامکمل) و کتاب القبائل و کتاب الملاحن و کتاب المقتبس و کتاب المقصور و الممدود و کتاب الخیل الکبیر و کتاب الخیل الصغیر و کتاب الانواء و کتاب السلاح و کتاب ادب الکاتب و کتاب تقویم اللسان و کتاب المطر وغیرہ۔

کتاب الجمہرہ کے متعلق صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ یہ کتاب بڑی

معتبر، بہت ہی مُفید اور علمی پائے کی ہے اور بلاشبہ علمِ لغت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ امام المسعودی اپنی کتاب مروج الذہب میں کہتے ہیں کہ بغداد کے علماءِ لغت میں امام ابن درید کا مقام بہت اعلیٰ ہے اور یہ لُغت کے علاوہ عرب کی شاعری میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور معاصرین میں سب سے زیادہ علمی فضیلت رکھتے ہیں۔

جب امام ابنِ دُرید ۹۰ سال کی عمر تک پہنچے تو ان پر فالج کا حملہ ہوا لیکن کچھ عرصے بعد علاج کرانے سے خاصے تندرست ہو گئے اور اپنی سابقہ حالت پر پہنچے اور دوبارہ اپنے شاگردوں کو املا کرانی شروع کر دی اور انھیں تعلیم دینے لگے۔ کیونکہ صحت جواب دے چکی تھی اور امام موصوف بہت ہی کمزور ہو گئے تھے، دوبارہ ایک سال کے بعد ان پر فالج حملہ ہوا اور ساتھ ہی رعشہ بھی ہوا جس سے ان کے ہاتھ پاؤں کانپتے تھے اور کثرت شراب نوشی کی وجہ سے قدم لڑکھڑاتے تھے اور جب کبھی کوئی گھر میں داخل ہوتا تو مارے خوف کے گھبرا اُٹھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ سلیم العقل اور کامل الحفظ تھے اور ہر طالب علم کے سوال کا جواب تسلی بخش دیا کرتے تھے۔ ان کے شاگرد ابو علی[1] اسماعیل بن قاسم کہتے ہیں کہ استاد ابن درید فالج کے حملے کے بعد دو سال تک زندہ رہے اور میں ان سے بھی علمِ لغت کے بارے میں شکوک و شبہات ظاہر کیا کرتا تھا اور اپنے علمی سوالات ان سے دریافت کیا کرتا تھا وہ اسی کا مجھے تشفی بخش جواب

---

[1] کتاب المجتنیٰ للامام ابی بکر محمد بن الحسن بن درید الازدی البصری المتوفی ۳۲۱ھ مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد دکن ۱۳۶۲ھ

دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میری موت کے بعد تم سرزمینِ عراق میں کوئی ایسا شخص نہیں پاؤ گے جس سے تم اپنی علمی تشنگی سے سیراب ہو سکو۔ اسی طرح ابو حاتم سجستانی اور اصمعی نے امام ابن دُرید کے بارے میں غیر معمولی تاثرات ظاہر کیے ہیں۔

لغت اور ادب کے امام ابن دُرید کی وفات بغداد میں بدھ کے روز ۱۲ ار شعبان ۳۲۱ھ میں ہوئی اور بغداد کے مشہور عباسیہ قبرستان میں دفن ہوئے۔ جس دن ابنِ دُرید کی وفات ہوئی اسی دن ابی ہاشم عبدالسلام بن علی الجبائی مشہور فلسفی کی بھی وفات ہوئی۔ برملا لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ آج کے دن لغت اور فلسفہ کی دو عظیم شخصیتیں موت کے گھاٹ اتر گئیں[1]۔

اب ہم آخر میں امام ابن درید کی مشہور کتاب المجتنیٰ جسے دوسرے لفظوں میں ان کی بیاضِ خاص یا حاصل مطالعہ کہہ سکتے ہیں۔ کچھ اقوال نقل کرتے ہیں۔ (المجتنیٰ میں امام موصوف نے آں حضور کے ارشادات، خلفائے راشدین اور مشاہیر کرام بزرگانِ دین کے اقوال نیز عربی ادب و زبان کی ضرب الامثال اور حکماء کے ملفوظات جمع کیے ہیں)۔

اقوال آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم

۱۔ اَلشَّدِیْدُ مَنْ غَلَبَ نَفْسَہٗ، بہادر وہ ہے جو اپنی نفسانی خواہشات پر غلبہ پائے۔

---

[1] تاریخ ابن خلکان، معجم الادباء، لسان المیزان، مروج الذہب للمسعودی، تاریخ مدینۃ السلام للخطیب البغدادی، مرآت الجنان للیافعی۔

۲- اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ — مجلسوں میں جس موضوع پر گفت و شنید ہو وہ گفتگو ایک امانت ہے۔

۳- تَرْکُ الشَّرِّ صَدَقَةٌ — بُرائی کا چھوڑنا بھی صدقہ ہے۔

۴- اَلنَّدَامُ تَوْبَةٌ — احساسِ ندامت اور شرمندگی گویا توبہ ہی ہے۔

اقوالِ حضرت ابوبکر صدیقؓ

۱- دانش مند وہی ہے جو متقی ہو۔ (تقویٰ کے معنی قرآن کریم کی اصطلاح میں ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد" جلد دوم)

۲- جو شخص فسق و فجور کا مرتکب ہو وہ احمق ہے۔

اقوالِ حضرت عُمر فاروقؓ

۱- جو شخص زیادہ ہنستا ہے اس کی ہیبت اور رُعب لوگوں پر کم ہو جاتا ہے اور جو شخص زیادہ تمسخر اور مزاح کرتا ہے اور وہ غیر سنجیدہ اور چھچھورا تصور کیا جاتا ہے۔ جو شخص زیادہ باتونی ہوتا ہے اس کی عقل کم ہوتی ہے اور جس کی عقل کم ہو اس میں حیا کم ہوتی ہے اور جس کی حیا کم ہو اس میں پرہیزگاری کم ہوتی ہے اور جس میں پرہیزگاری کم ہو اس کا دل مُردہ ہو جاتا ہے۔

اقوالِ حضرت عثمان

۱- جو شخص خواص (اہل نظر) کی صحبت میں بیٹھتا ہے وہ عوام جہلاء کی لایعنی اور

بے ہودہ گفت گو سے محفوظ رہتا ہے۔

۲۔ جو شخص اپنے دل کی حفاظت (ناپاک جذبات و احساسات سے) کرتا ہے وہ اپنی زبان کو بے ہودہ گوئی سے محفوظ رکھتا ہے وہ ہمیشہ خوش رہتا ہے۔

اقوالِ حضرت علیؓ

۱۔ سب سے زیادہ دولت مند شخص وہ ہے جو زیادہ عقل مند ہے۔ سب سے زیادہ تنگ دست اور مفلس وہ شخص ہے جو احمق ہو۔ سب سے زیادہ بدترین عادت جھوٹ، گھمنڈ اور غرور ہے۔ سب سے زیادہ خاندانی شرافت سے بڑھ کر خوبی حُسنِ اخلاق ہے۔

۲۔ تم نادان کی دوستی سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ کیونکہ وہ تمھیں نفع دینے کی بجائے نقصان دے گا۔ تم جھوٹے کی دوستی سے پرہیز کرو وہ تمھیں دُور کی چیزیں نزدیک کرکے دکھائے گا اور نزدیک کی چیزیں تمھیں دُور کرکے دکھائے گا— اور بخیل کی دوستی سے بھی دُور رہو اور فاسق و فاجر کی دوستی سے بھی احتراز کرو۔ کیونکہ وہ تمھیں سستے داموں بیچ دے گا۔

حکمائے عرب کے مختلف اقوال

قناعت کا نتیجہ راحت ہے اور تواضع کا ثمرہ محبت ہے۔ معاف کرنا عقل کی زکوٰۃ ہے، سخاوت اور دریا دلی عزت و آبرو کی محافظ ہے۔ عمل کرنے سے پہلے حُسنِ تدبر سے کام لینا انسان کو ندامت سے محفوظ رکھتا ہے۔ دولت مندی کا

راز آرزوؤں کو محدود رکھنا ہے۔" صبر" ایسی ڈھال ہے جو انسان کو فقر و فاقہ سے محفوظ رکھتی ہے۔

اقوالِ فلاسفہ

۱۔ سرزمینِ یونان کے مشہور فلسفی **سقراط** کا قول ہے کہ عقل مند کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ جب کسی جاہل سے گفتگو کرے تو اس انداز سے بات چیت کرے کہ گویا کوئی طبیب مریض سے بات چیت کر رہا ہے۔

۲۔ **فیثاغورث** کا قول ہے کہ مخلوقِ خُدا سے حُسنِ سلوک سے پیش آنا صفاتِ خداوندی میں سے ہے۔

۳۔ **سر سولیورس** کا قول ہے کہ کبھی تم نے لذت پرستی کے بارے میں بھی غور کیا ہے؟ کہ لذت پرستی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی بُرائی بظاہر کس قدر خوب صورت ہوتی ہے، اس کا آغاز کیسا اچھا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا انجام کس قدر بُرا ہوتا ہے۔

۴۔ **بولس** کا قول ہے کہ اس تاجر ذخیرہ اندوز کی مثال ایسی ہے جو ہمیشہ نفع بٹورنے کی دُھن میں رہتا ہے، اس حیوان کی سی ہے جو گھاس پھوس اور چارہ کھانے کے باوجود نہیں سیر ہوتا۔

۵۔ **اورپندس** کا قول ہے کہ زندگی بغیر موسیقی کے دہشت کا دُوسرا نام ہے۔

۶۔ **انوخرسیس** کا قول ہے کہ انگور میں تین خوبیاں ہیں:۔ پہلی یہ کہ وہ خوش ذائقہ ہے۔ دُوسری یہ کہ اس میں حلاوت اور مٹھاس ہے اور

تیسری یہ کہ اس کے بھوگ میں بھی شراب کی تلچھٹ کا مزہ ہے۔

۷۔ ارسطو کا قول ہے کہ ادب اہلِ دولت کے لیے باعثِ زینت ہے اور فقراء کے لیے باعثِ معیشت ہے۔

۸۔ ہیوفنا غورث کا قول ہے کہ موت اپنے وطن میں ہو یا غریب الوطنی میں ہو، اس میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے کہ آخرت کی طرف جانے کے لیے یہی ایک راستہ ہے جو تمام مقامات واحوال میں ایک ہی ہے۔

۹۔ بوسطیلس کا قول ہے کہ ادیب کے لیے مناسب ہے کہ وہ تمام علوم و فنون سے استفادہ کرے اور شہد کی مکھی کی طرح ہر طرح پھول کا رس چوسے۔

۱۰۔ ارسطاطالیس کا قول ہے کہ مال و دولت کی حاجت سے کئی گنا بڑھ کر ہمیں عقل و شعور کی زیادہ حاجت ہے۔

۱۱۔ ایک بار دیوجانس کلبی نے ایک نہر کے کنارے ایک جھاڑی کو دیکھا جس کے ساتھ ساتھ پانی بہہ رہا تھا اور اس کے بڑے بڑے تیز نوکیلے کانٹوں میں سے ایک کانٹے پر ایک سانپ بیٹھا ہوا تھا۔ کلبی نے کہا کہ یہ منظر کس قدر کشتی میں ملاّح کی سواری کے مشابہ ہے۔

۱۲۔ سکندرِ اعظم سے کسی نے دریافت کیا کہ تم اس عظیم مملکت کے کیونکر شہنشاہ بنے، باوجودیکہ تم ابھی کمسن اور نوعمر ہو؟
جواباً سکندر نے کہا میں نے دشمنوں کے دل موہ لیے اور انھیں اپنا دوست بنا لیا۔ میں نے اپنے دوستوں کا وقار کیا اور ان سے اچھا سلوک کیا۔ اس لیے میں اس مقام پر پہنچا۔

ایک مرتبہ سکندرِ اعظم نے ایک علاقے پر یورش کی تو مقابلے میں عورتوں کا ایک لشکر نبرد آزمائی کے لیے میدان میں اُتر آیا۔ لیکن سکندر نے جوابی حملہ کرنے سے انکار کر دیا اور عورتوں سے جنگ کرنے سے باز رہا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا تم عورتوں کی فوج سے ڈر گئے یا گھبرا گئے۔

سکندر نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسا لشکر ہے کہ اگر ہم ان پر غالب ہو گئے تو ہمارے لیے کوئی خاص بات باعثِ فخر نہ ہو گی اور اگر یہ عورتوں کی فوج ہم پر غالب ہو گئی تو ہمارے لیے زندگی بھر فضیحت اور رُسوائی کا باعث ہے۔

ایک فلسفی نے ایک بے ادب اور بدتمیز نوجوان کو دیکھا جس نے سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی تو اس نے یہ کہا۔ یہ نوجوان ایک ایسا دراز گوش ہے جس کے مُنہ میں سونے کی لگام ہے۔

(ماہنامہ الولی حیدر آباد سندھ)

○

حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحب علیہ الرحمۃ

مغربی پاکستان کے صوبہ سرحد کے ان اولیاء الرحمٰن میں جن کی شہرت آفتاب آمد دلیل آفتاب کی مانند ہے اور جو خانوادۂ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روشن چراغ ہیں۔ ایک بزرگ اور ممتاز شخصیت کے مالک قطبِ وقت شیخ کامل عارف ربانی حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحب علیہ الرحمۃ بھی ہیں۔

آپ کے آباء و اجداد میں حضرت سید آدم علیہ الرحمۃ علاقہ خوست میں رہتے تھے وفات کے بعد کرہ بوغر تحصیل کوہاٹ میں ان کی تدفین ہوئی، موصوف کا مزار مرجع خلائق ہے۔

ان کے صاحبزادے سید غالب صاحب وہاں سے علاقہ خوڑہ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں قیام پذیر ہوئے اور انہی سید غالب کے پڑپوتے حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحب ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب ۲۳ پشت پر حضرت شہید کربلا امام عالی مقام سیدنا حسینؓ سے جا کر ملتا ہے۔ آپ کے اجداد میں بعض حضرات

عراق اور مشہد، بعض بخارا و سمرقند، بعض پشین اور غزنی و خوست میں مدفون ہیں۔
نویں صدی ہجری میں حضرت سید آدم علیہ الرحمۃ خوست کے علاقے سے نقل مکانی
فرما کر کوہاٹ میں تشریف فرما ہوئے۔ موضع کربوغہ میں مستقل سکونت پذیر ہوئے
اور یہیں رحلت فرمائی۔

آپ کے بیٹے سید غالب صاحب نے اپنے آبائی سلسلہ سہروردیہ کے
علاوہ سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی۔ مدارج سلوک طے کیے اور مخلوق خدا کو اپنے
فیوض و برکات سے مالا مال کیا۔ قصبہ مرو بہ علاقہ خوڑہ میں آپ کا مزار موجود ہے
ہزاروں لوگ حصولِ شرف زیارت کے لیے حاضر ہوا کرتے ہیں۔

حضرت سید غالب باباؒ کے بعد آپ کے صاحب زادے سید نادر مست بابا
صاحب سجادہ نشین ہوئے، پھر مست بابا صاحب کے فرزند دلبند سید بہادر
صاحب "ایک" صاحب مسند فقر پر بیٹھے اور مرجع فیضان و برکات ہوئے۔

حضرت سید بہادر بابا صاحب کے انتقال فرمانے کے بعد آپ کے صاحبزادے
حضرت شیخ المشائخ شیخ رحمکار کاکا صاحب خلقِ خدا کے مربی و مرشد ہوئے، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت کاکا صاحب کا نام "کستیر گل" ہے، عوام و خواص سے رحیمانہ برتاؤ
اور کریمانہ اخلاق کے سبب "رحمکار" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

۲۰ شعبان کی رات کو ۹۸۳ھ میں بروز جمعہ صبح صادق کے طلوع ہونے
کے وقت آپ اس جہان آب و گِل میں تشریف لائے (مقالات قطبیہ ص۱۶۸)
آپ کو بچپن میں حضرت اخوند شیخ بینوؒ نے اپنا لعابِ دہن آپ کے منہ میں ڈالا۔
پیار کیا اور سینہ سے لگایا اور دعا فرمائی۔ (مجمع البرکات)۔

ابتدائے عنفوانِ شباب میں سخت جاڑے کے موسم میں تمام رات یادِ خدا میں مصروف رہنے کے باوجود تہجد کی نماز کا وقت آجاتا تو ٹھنڈے اور یخ بستہ پانی سے وضو تازہ کر کے نمازِ تہجد ادا فرماتے اور فرمایا کرتے:

ہمیں دُنیا سے کوئی سروکار نہیں اور میں دُنیا کو بالکل ترک کرتا ہوں۔

(مقالاتِ قطبیہ ص۳۷)

آپ نے علومِ ظاہر کی کتابیں عہدِ طفولیت میں پڑھی تھیں۔ ۱۳ و ۱۴ برس کی عمر میں آپ تفسیر و حدیث اور دوسرے علوم و فنونِ ظاہری سے فارغ ہو چکے تھے اور ان علوم و فنون میں آپ پورے ماہر با کمال تھے۔ حضرت اخون دین صاحب (اکوڑہ خٹک) آپ کے استاد ہیں۔

حضرت شیخ سید بہادر صاحبؒ موجودہ قصبہ زیارت کاکا صاحبؒ سے جانب جنوب مغرب ۶ میل کے فاصلے پر جنگل میں مقیم تھے۔ حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحب کی ولادت بھی اسی مقام پر ہوئی۔ ابتدائی زمانۂ بچپن وہیں گزرا۔ حضرت شیخ بہادر صاحبؒ کے مزار کے قریب ان کے اصلی مکان، مسجد کے کھنڈرات اور آثار نیز بعض درخت اور وہ جنگلات اب تک بھی موجود ہیں۔ قصبۂ زیارت کاکا صاحبؒ نوشہرہ ریلوے اسٹیشن سے ۶ میل کے فاصلہ پر پہاڑیوں میں واقع ہے۔

کچھ عرصہ بعد مقام میلہ کے کوہساری سلسلے میں ایک چشمہ ہے اس کے پاس آکر آپ نے قیام فرمایا۔ ۱۶۰۵ء میں ۱۶ اکتوبر بحوالہ تزک جہانگیری ص۳۶ حضرت شیخ رحمکارؒ صاحب کی ملاقات جہانگیر سے ہوئی جب جہانگیر ان ابتدائی ایام میں پشاور آیا تھا۔ جہانگیر جس طرح دوسرے اولیاء کرام کی عزت کیا کرتا تھا۔ اس

نے حضرت موصوف کی بھی بڑی عزت کی اور نیازمندانہ انداز سے ملاقات بار بار اصرار کر کے کہا آپ کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو طلب فرمائیے۔

آپ نے جواب میں فرمایا "مجھے غیر اللہ سے کچھ مانگتے ہوئے شرم آتی ہے" اور مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں"۔ تاہم آپ کے بار بار انکار کے باوجود جہانگیر نے علاقہ خٹک، اور راتمان بلاق آپ کو جاگیر کے طور پر پیش کیا مگر آپ نے وہی جاگیر اپنے اپنے مرید خاص خوشحال خاں خٹک کے والد ماجد سردار شہباز خاں کو دے دی اور خود اپنے لیے فقر و فاقہ اور گوشہ عزلت پسند فرمایا۔

زیادہ رجوعات خلق کے سبب آپ نے ۱۰۳۳ھ ۵۰ سال کی عمر میں باقاعدہ لنگر کا انتظام جاری کیا اور عوام و خواص سے دعوت تلقین نیز روحانی فیضان عام کے لیے آپ نے تعلق استوار فرمایا۔

آپ کا طریقہ اُویسی تھا۔ اویسی تربیت کے علاوہ آپ نے صرف والد ماجد کی بیعت کی ہے۔ دُوسرے مشائخ کرام سے اگرچہ صحبت کی ہے لیکن بیعت اور فیض اخذ نہیں کیا۔

آپ کے والد بزرگوار کا سلسلہ سہروردیہ تھا۔

"سُہروردی" بہشت کی طرح ایک مقام ہے جو سرزمین عراق میں ہمدان اور زنجان کے درمیان واقع ہے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے منسوب ہے۔

حضرت شیخ رحمکارؒ صاحب۔ راست باز، صاف گو اور حق پرست تھے۔ بلاضرورت، گفتگو اور بے مقصد کاموں سے ہمیشہ احتراز رکھتے اور دُور رہتے تھے، جب کبھی بات چیت ہوتی دین کی کوئی بات کہتے یا پھر خاموش رہتے تھے۔

اتباعِ سنت کے دلدادہ۔ حق و صداقت گرویدہ اور حرص و ہوس سے کنارہ کش تھے۔
آپ ہر قسم کے اخلاق حمیدہ سے متصف تھے۔ کسی ناپسندیدہ اخلاق کا آپ میں اثر
تک بھی نہ تھا۔ معرفت الٰہی آپؒ کو بکمال حاصل تھا۔ زہد و عبادت میں بے ریا تھے
وہ طریقت کی تمام منزلیں طے کر چکے تھے۔ (مقامات قطبیہ ص۳۹)

پشتو زبان اور ادب کے مشہور شاعر خوشحال خاں خٹک حضرت شیخ رحمکارؒ
صاحب کے مرید و معتقد بلکہ خصوصی خلفاء کے زمرہ میں شامل تھے اور شیخ ممدوح
سے تعلق خاطر کی بناء پر افغانوں کے سردار ہونے کے باوجود خوشحال خاں خٹک درویش
مشرب اور خدا پرست تھے۔ (رود کوثر ص۴۳۲)

۲۴ رجب ۱۰۶۳ھ بروز جمعہ آپ کی وفات ہوئی۔ خوشحال خاں خٹکؒ نے
قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے۔

چوں رفت از جہاں شیخ دیں رحمکار — رجب بود جمعہ بست و سہ ہفت (۲۴)
چو تاریخ فوتش بجستم ز عقل: — چنیں گفت بابا کہ با فقر رفت (۱۰۶۳ھ)

آپؒ کے ۵ صاحبزادے تھے۔ ضیاء الدین شہید باباؒ، شیخ محمد گل حاجی باباؒ
خلیل گل مزرے باباؒ، شیخ عبد الحلیمؒ سپین باباؒ، نجم الدین جو بچپن میں فوت ہو گئے۔
حضرت شیخ سید رحمکار کاکا صاحب کی اولاد جو نجیب الطرفین سادات ہیں،
صوبہ سرحد میں "کاکا خیل" کہلاتی ہے اس خاندان سے مشہور سیاست دان سید
جعفر شاہ صاحب پشاور، مشہور عالم باعمل عارف ربانی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن
دیوبندی علیہ الرحمۃ (اسیر مالٹا و قید فرنگ) کے شاگرد حضرت مولانا سید محمد عزیز گل صاحب
مدظلہ ہیں۔ موصوف نے زندگی بھر دین کی خدمت دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور۔ داندیر

ضلع سورت مختلف عربی مدارس میں کرتے رہے ہیں۔

آپ کے دوسرے بھائی حضرت مولانا سید عبدالحق نافع گل صاحب بھی ہیں۔ موصوف بھی مدارس عربیہ، مظہر العلوم کھڈہ۔ کراچی تادم زیست دین نبوی کی خدمت کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ سید رحمکار کاکا صاحب کے خاندان سے پاکستان کے خواص علماء و عوام کو روحانی و دینی فیضان حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(مطبوعہ، روزنامہ جنگ، راولپنڈی)

شاہ سلیمان پھلواروی ؒ

انسان مجموعہ ہے، جسم، عقل اور رُوح کا، ان میں سے ہر ایک کے کچھ تقاضے اور مطالبات ہیں، جسم انسانی کو تغذیہ اور حیاتیتی اجزاء کی ضرورت ہے، عقل یا ذہن کو صحت مند اور توانا خیالات و احساسات کی حاجت ہے اور رُوح آدمیت کو ایک غیر مرئی قوت، قدرت کاملہ سے رابطہ استوار و مضبوط کرنے کی احتیاج ہے، تاکہ انسانی شخصیت کی تشکیل و تعمیر باحسن وجوہ ہو سکے۔

اس کے علاوہ انسانی وجود اور اس کی ساخت و پرداخت میں عناصر تکوینی جمادات، حیوانات اور نباتات کا بھی عمل دخل ہے، بعض اوقات ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے کہ ایک انسان اپنی بے اعتدالی سے ذہنی مریض ہو کر جمود اور تعطل کا شکار ہو جاتا ہے، حالانکہ قدرت نے اسے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے، لیکن اپنی کج فہمی، اور کجروی کی بنا پر وہ جمود و تعطل کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے، یہ جمادات کا خاصہ ہے، کہ جمادات کے مانند ایسا انسان بے حس اور خود غرض ہو جاتا ہے، نیز انسانی جسم کی نشوونما نباتات کے مانند پروان چڑھتی ہے، وہ شگوفے کی طرح پھوٹتا،

پھل کی طرح پھلتا، اور پھول کی مثال پھولتا ہے اور زندگی کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا، پھول کی طرح کملاتا ہے اور آخر میں مرجھا جاتا ہے، کل نفس ذائقة الموت۔

آدمی کے "حیوانِ ناطق" ہونے پر سبھی کا اتفاق ہے، اس کے حیوانی و طبعی تقاضے و حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے کا بھی مطالبہ ہے کہ وہ حیوانی یا جنسی جذبہ سے تعمیر نو یا تناسل و توالد کا کام لیتا ہے، شریعت کی روشنی میں عقد و نکاح کے ضابطے اسے انسانی شرف وغیرہ سے ہم کنار کرتے ہیں، خلاف شرع، راستے زنا اور وقتی ناجائز تعلقات اسے اعلیٰ انسانی سطح سے گرا کر اسفل السافلین کے قعرِ مذلت میں جا پھینکتے ہیں۔

جہاں تک انسانی رُوح کی معراج اور ارتقاء کا تعلق ہے تو اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے، کہ جسم، عرض ہے اور رُوح جوہر ہے اور انسان کے وجود کا انحصار ذات "ھوالحی القیوم" پر ہے، لہٰذا ان سے رابطہ اور تعلق نیز ان کا ذکر ہی سکونِ خاطر اور اطمینانِ قلب کا موجب ہے ورنہ والعصر ان الانسان لفی خسر۔ عقل اور علم انسانی محدود، ناقص اور نامکمل ہے، عقل بے مایہ امامت اور قیادت کی سزاوار نہیں، عقل اگر شترِ بے مہار رہے تو یہ "شرارِ بولہبی" کی آئینہ دار ہے، اور یہ "ابلیسی عقل" ہی ہے جس کا مزاج خاص تخریب، سلب و نہب اور شر و فتنہ انگیزی نیز خود غرضی، خود بینی، خود پسندی اور خود رائی پر مبنی ہے، اسی سے کفر و نفاق کے سوتے پھوٹتے ہیں، یہی سرچشمۂ ضلالت و گمراہی ہے، البتہ اگر یہی عقل انسانی، عقل ابلیسی کا روپ اور بظاہر خوب صورت رُوپ دھارنے کی بجائے عشق یا بقول

علامہ اقبال وحیٔ حق کے تابع ہو جائے تو یہی دانش برہانی، عقل انسانی، دانش نورانی کے خوب صورت پیکر میں شاہراہِ حیات کو اپنی تابناکیاں بخشتی ہے اور زندگی فلنحیینہ حیوٰۃ "طیبۃ" کا مصداق بن جاتی ہے اور مردِ مومن کو زمرۂ لایحزنون میں شرکت کا اعزاز مل جاتا ہے۔

یہ تمہید طولانی ممکن ہے قارئین "فکر و نظر" کے کچھ حساس طبائع کو ناگوار گزری ہو! (جس کے لیے معذرت خواہ تصور کیا جائے) راقم الحروف کو بدو شعور سے غیر اختیاری طور پر ظاہری علوم و فنون کی تعلیم و تکمیل کے بعد اولیاء الرحمٰن اور بزرگان اہل تمیز سے خاص حسن عقیدت و شغف نیز ارادت رہی ہے، جب سے ؎

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے

بیا

خام بدم پختہ شدم، سوختم

اپنی پختگی، سوختگی نہ ہونے کے باوجود خام ہونے کے احساس ندامت کے ساتھ جب بھی خامہ فرسائی کی توفیق ایزدی ملی ہے، درویشان خدامست، مشائخ اولیاء اللہ کی شخصیات پر لکھا ہے کہ ؎

للناس فیما یعشقون مذاہب،

آج میں حضرت شیخ سید شاہ محمد سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کی جامع عظیم شخصیت پر کچھ سطور رقم کرنے کی ہمت و جسارت کر رہا ہوں

احب الصالحین و لست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

گزشتہ دنوں اشوال ۱۳۹۳ھ عید الفطر کی مبارک تقریب پر اپنے مخدوم شری حضرت مولینا السید ناصر الدین اسد الرحمن شاہ صاحب قدسی قلندر اعلی اللہ تعالی مقامہم (سابق آستانہ مبارک۔ بھوپال بھارت) (حال آستانہ۔ بھون ضلع جہلم) کی خدمتِ اقدس میں شرف باریابی کا موقعہ اللہ تعالی نے بہم پہنچایا، تو موصوف نے فرمایا کہ حضرت شاہ سلیمان پھلواروی ؒ ہمارے مرشد برحق تھے۔ خانوادۂ چشتیہ، قادریہ نیز قلندریہ میں ہمیں ان سے شرفِ نسبت ہے ان کا تذکرہ باعثِ خیر و برکت ہے، اس لیے اپنی دنیا میں خوش بختی اور عقبیٰ میں خوش نصیبی کے لیے اولیاء اللہ کا ذکر خیر ہی اپنے لیے موجب فوز و فلاح نیز مغفرت ہے۔ وما توفیقی الا باللہ تعالی۔

مرشدنا حضرت شاہ سلیمان پھلواروی ؒ کی من موہنی اور پیاری شخصیت تھی۔ وہ اپنے عہد کے ایک امتیازی حیثیت اور غیر معمولی جامعیت کے قدسی النفس بزرگ تھے[1] عائلی و مدنی نیز اسلامی سیاست کے مقتدر، اعلیٰ رہنما نیز شریعت و طریقت کے امام، سحر البیان، خطیب، بذلہ سنج ادیب، مجسمۂ علم و عمل، ان کی عظیم شخصیت مسلمانانِ برعظیم کے لیے دینی پناہ گاہ کی حیثیت رکھتی تھی، ان کی ساری زندگی ملک و ملت کی خدمت و تعمیر میں بسر ہوئی، تقریباً ساٹھ سال تک سرزمین ہند کا گوشہ گوشہ ان کے دل گداز مواعظ سے گونجتا رہا، ان کی پوری زندگی گویا ۱۸۵۷ء سے ۱۹۳۵ء تک کے سارے ملکی ہنگامہ خیز نشیب و فراز، قومی و ملی جد و جہد کی ایک مستقل تاریخ ہے[2][3]

---

[1] تہذیب الاخلاق ۱۳۱۲ھ، [2] روئداد ندوۃ جمعیتہ کانپور ۱۹۳۹ء

[3] خاتم سلیمانی۔

شاہ سلیمان پھلواروی کے اساتذہ میں ملک کے مشاہیر علماء، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی، احمد علی سہارنپوری، فاروق چڑیا کوٹی، مفتی میر عباس لکھنوی، حکیم عبدالمجید عظیم آبادی سرفہرست ہیں، آپ زندگی بھر ایک جواں بخت محنتی طالب علم کی طرح علمی سرچشموں کتب خانوں سے اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے، شاہ صاحب ممدوح کے مرشدین ومشائخ حضرت شاہ علی (حبیب نصر) پھلواروی، حضرت شاہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی اور حضرت حاجی صاحب مولانا امداد اللہ مہاجر مکی وغیرہم ہیں۔ شاہ سلیمان صاحب تادم زیست بلکہ اپنی عمر کے آخری لمحات تک اپنے سلاسل طیبہ کے تمام معمولات کے سختی سے پابند رہے[۱]

شاہ صاحب موصوف کے ہم عصر قومی رفقاء سرسید، جسٹس امیر علی، حالی، محسن الملک، وقارالملک، مہاراجہ محمود آباد، سرآغاخاں ثالث، شبلی نعمانی، سید علی بلگرامی، مولانا سید احمد آروی، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا محمد حسین الہ آبادی، قاضی رضا حسین عظیم آبادی، مولانا لطف اللہ علی گڑھی ہیں۔ حضرت شاہ پھلواروی کی خطابت اور تقریر نے برعظیم ہند کی ہر دینی ادبی، قومی، علمی اور فنی تحریکوں کے مراکز پر گونج پیدا کی۔

نیز موصوف کے شاگردوں، مسترشدین اور استفادہ کرنے والوں کی فہرست میں سلیمان منصور پوری، سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال، سر عبدالرحیم، سر عبدالقادر، سر علی امام، سید عبدالعزیز، آزاد سبحانی، خواجہ حسن نظامی، سید جالب دہلوی،

---

[۱] تذکرۂ جاوید

اور اس دور کے دوسرے خطیبوں، مصنفوں اور اہل نظر کے نام آتے ہیں، آپ کی شخصیت ان کا تبحر علمی اور وسعت نظر ان کی معنوی اور روحانی رفعت و عظمت اور ان کی قومی و ملکی خدمات جلیلہ کا اندازہ کرنا زیادہ دشوار نہیں۔

ولادت

حضرت شاہ سلیمان پھلواروی صاحب کے جدامجد حضرت سید حکیم محمد محبوب عالم شاہ صاحب قادری تھے اور آپ کے والد ماجد حضرت شاہ محمد داؤد صاحب جو فیض آباد میں شاہی طبیب تھے - ۱۸۵۸ء میں آپ کا مستقل قیام پھلواروی میں ہوا، پھلواری عظیم آباد پٹنہ سے ملحق ایک قدیم اور مشہور مردم خیز بستی ہے، جس کی خاک سے ہر دور میں علماء و مشائخ اور شعراء پیدا ہوتے رہے ہیں [۱]

شاہ سلیمان پھلواروی کا خاندان اسی پھلواروی کا ممتاز اہل علم و فضل گھرانا تھا، انھوں نے اسی سرزمین میں آنکھیں کھولیں تھیں اور قمری حساب سے پیدائش کا مہینہ محرم تھا، وہ دسویں تاریخ دن گذار کر شب کو پیدا ہوئے تھے، خاندانی روایات اور دینی ماحول کے سبب ان کی زندگی اسلام اور ملک و ملت کی سربلندی کے لیے وقف ہو چکی تھی، جہاد ملی کی لگن ان کو ورثہ میں ملی تھی۔

جامع شخصیت

علوم دینیہ کے علاوہ اردو، فارسی اور عربی زباندانی اور شعر و ادب، منطق و فلسفہ اور تاریخ و عمرانیات نیز طب جدید و قدیم وغیرہ سارے علوم و فنون انھوں نے حاصل کیے تھے اور اسی دور کے ائمہ فن اور ارباب کمال سے حاصل کیے تھے، شیوخ حدیث کی تعداد تقریباً ساٹھ [۲] ہے۔

---

[۱] ملفوظات خاتم سلیمانی [۲] معارف اعظم گڑھ جولائی ۱۹۲۵ء۔

علوم باطنی کی تعلیم و تربیت بھی اپنے عہد کے باکمال بزرگوں سے پائی تھی پہلے اپنے خسر اور مرشد شاہ نصیر پھلواروی، پھر مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادیؒ اور آخر میں حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی سے خلافت و اجازت پائی، ۱۳۰۴ھ میں جب حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں کافی عرصہ تک حاجی صاحب کی خدمت اقدس میں رہے، مثنوی کے درس میں شریک ہوئے، فیوض و برکات اور توجہات خصوصی سے سرفراز ہوئے، اجازت و خلافت پائی، نیز احسان و تصوف کے وہ تمام سلاسل جو برعظیم میں اور بیرون ملک رائج ہیں اُنھوں نے اکابر شیوخ سے حاصل کیے تھے اس طرح وہ علوم ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے جامعیت کے مالک تھے[1]

بہ علم و عمل، عالمے بے مثال

بہ صدق و صفا، بے اشتباہ

سحر البیان خطیب وہ اپنی بے مثال خطابت اور رُوح پرور وعظ و تقریر کے اعتبار سے سارے برعظیم میں یگانۂ عصر تھے، اپنے عہد کے عبقری اور نابغۂ روزگار سمجھے جاتے تھے۔ ان کی سحر البیانی اور شعلہ نوائی ضرب المثل تھی۔ بات بات پہ کوئی نشتر کی طرح چبھتا ہوا شعر، پھر مثنوی کے سوز و گداز اور ترنم، کی وجد آفرینی اس پر مزید ہوتی، سامعین وعظ سُنتے تھے، سر دُھنتے تھے، روتے تھے، تڑپتے تھے اور اپنے گفتار و کردار کا محاسبہ کرتے تھے۔ دل سینوں میں پگھلے ہوئے ہوتے تھے، فکر و خیال کی صورتیں نکھری ہوئی ہوتی تھیں، صراط مستقیم ڈھونڈنے میں یا پانے میں

---

[1] شمس المعارف، ص ۴۴ مجموعہ مکاتیب از شاہ غلام حسین پھلوارویؒ، شاہ جعفر ندوی پھلواروی۔

کوئی دیر نہ لگتی تھی۔ نہ جانے اس طرح کتنی زندگیوں کی راہیں بدل گئیں اور کتنوں کے اخلاق سنور گئے، وعظ و تذکیر کے جلسوں میں علماء بھی ہوتے تھے صوفیاء اور مشائخ بھی ہوتے تھے، جدت پسند بھی ہوتے تھے، رجعت پسند بھی ہوتے تھے۔ خواص و عوام بھی ہوتے تھے۔ الغرض درد و شوق و اثر و گداز اور روحانیت کی دولت سبھی یکساں سمیٹتے تھے اور ایک انمٹ کسک سب کے دلوں میں اپنا گھر بنا لیتی تھی[۱]۔

قبلہ شاہ سلیمان صاحبؒ اپنے لیئے اندازِ بیان اتنا سادہ اور انوکھا اختیار کرتے تھے کہ آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، دلائل و براہین کے پشتاروں کے عوض چند سادہ الفاظ میں جو باتیں انھوں نے ایک جلسے میں کہیں وہ ایسی ہیں کہ ہمیشہ کے لیے سامع کے ذہن و فکر پر مرتسم ہو کر رہ جائیں۔

دوسرے الفاظ میں شاہ سلیمان پھلواروی صاحب ایک وسیع النظر عالم، روشن ضمیر درویش خدامست، اور مقتدر رہنمائے ملت بزرگ ہی نہیں تھے، بلکہ ماہر تعلیم کی حیثیت سے بھی ان کا مقام بلند تھا، علی گڑھ یونیورسٹی، ندوہ، اسلامیہ کالج پشاور، انجمن حمایت اسلام لاہور، وغیرہم کتنے چھوٹے بڑے مدارس دینی، اسکولوں اور کالجوں کے قیام و استحکام میں شریک و دخیل رہے، علمی درس گاہوں اور تعلیمی اداروں نیز فلاحی انجمنوں سے دل چسپی لیتے رہے[۲]۔

۱ مضامین ا۔ معارف اعظم گڑھ، صدق لکھنؤ، منادی دہلی اور روزنامہ ہند جدید۔ کلکتہ جون، جولائی ۱۹۳۵ء

۲۔ خاتم سلیمانی از شاہ غلام حسین پھلواروی صاحب۔

صوفیاء کی اصلاح

ہمارے حضرت شاہ مرشدنا سید اسد الرحمن قدسی صاحب مدظلہ کے مرشد و مقتدا حضرت قبلہ شاہ سلیمان پھلواروی صاحبؒ کو اپنے دور کے نام نہاد پیروں، صوفیوں اور مشائخ زادوں کی اصلاح کی فکر بھی شروع ہی سے لاحق تھی۔ آپ کی ذات گرامی بجائے خود ایک ادارۂ طریقت اور درس گاہ تصوف و احسان تھی۔ نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ تک اُنھوں نے ملک و ملت کی خدمت میں ہمہ تن سرگرم و مصروف رہ کر عملاً یہ بتا دیا کہ ایک سرخیل تصوف، اور ایک امام طریقت اور اہل نظر کی زندگی کیسی اور کیا ہونی چاہیے۔ ان کی تعلیم "محبت" تھی اور ان کی تحریک "محنت"۔ یہی سبب تھا کہ ہر مکتب فکر کے لوگوں، قدیم و جدید میں یکساں مقبول و محترم نیز مخدوم تھے اور مختلف و متضاد عناصر کے درمیان ان کی شخصیت مرکز اتحاد و یگانگت تھی[1]

ماحصل یہ کہ آپ بقول

عبادت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

کا اعلیٰ مصداق تھے، بار بار اُنھوں نے یہ نکتہ ذہن نشین اور دل نشین کرانے کی کوشش کی کہ دراصل چیز خدمت خلق ہے[2]

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد

---

[1] ماہنامہ حقائق لکھنؤ ۱۳۵۴ھ الرضوان (عربی) لکھنؤ ۱۳۵۴ھ۔ [2] مقالہ: "اقبال اور شاہ سلیمان پھلواروی" ماہنامہ ریاض کراچی، از سید حسن مثنیٰ ندوی پھلواروی

وفات

حضرت شاہ سلیمان صاحب نے ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کو جمعہ کے دن صبح کی نماز کے وقت رحلت فرمائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی ساری زندگی ایک نمونہ تھی، تمام علماء کے لیے بھی اور صوفیاء کے لیے بھی۔ اُنھوں نے ترکِ دُنیا کبھی نہیں کیا۔ رہبانیت سے بہت دُور رہے، عام بندگانِ خُدا سے کٹ کر کبھی نہ رہے اور اپنے آپ کو بُت بھی کبھی بننے نہ دیا، نہ ان کے عادات و معمولات مبارکہ میں تکلف تھا نہ ہی تصنع، نہ طبع مبارک میں تقشف اور زہد کا شائبہ، ہر خورد و کلاں سے خندہ پیشانی سے ملتے، چھوٹوں کو ہمیشہ آگے بڑھاتے، گفتگو اور خطوں میں جابجا تخاطب کا انداز ایسا تھا کہ جیسے بڑے آدمی کو مخاطب کر رہے ہوں، حضرت شاہ صاحب جتنے بڑے عالم، جتنے بڑے عارف اور جتنے بڑے دینی، سیاسی اور روحانی مقتدر راہنما تھے، اتنے ہی سادہ مزاج، قلندر مشرب، بے لوث و بے نفس، خلیق و دردمند اور زندہ دل بزرگ تھے۔

نظر بلند، سخن دل نواز و جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

ارشادات، ملفوظات، مکاتیب کی روشنی میں

"زندہ بلی مردہ شیر سے بہتر ہے"

"پیری و مریدی بمعنی مملوک و مالک کہیں نہیں تھی، عوام سمجھتے ہیں کہ مرید نے اپنے آپ کو پیر کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے، یہ باتیں کتاب و سُنت کے موافق نہیں ہیں جس کے قبضۂ قدرت میں ہم ہیں اسی نے ہم جاں بازوں کو خرید کیا ہے۔"

"تو اے عزیز! حقیقت یہ ہے کہ حافظ و جامیؒ کے کسی شعر کے معنی و مطالب یا ظاہر آیات قرآنی و احادیث سے کوئی نکتہ یا لطیفہ پیدا کرنا حقائق و معارف نہیں حقائق و معارف وہ ہیں جو سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ میں مدرکات ہوتے ہیں۔"

"شکر گزاری کی عملی صورت یہی ہے کہ جس پر خدا کا کرم ہو وہ اس کے بندوں پر کرم کرے اور شکر گزاری کی بدولت نعمت بالائے نعمت پائے۔"

"بزرگوں کا ہاتھ چومنا مستحب ہے بعضے صحابہؓ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بلکہ قدم مبارک بھی چوما ہے اور حضرت عمرؓ کا ہاتھ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے چوما تھا اور حضرت علیؓ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا ہاتھ چوما" (شمس المعارف: ص ۸۰ مکتوب بنام صاحبزادہ شاہ غلام حسنین پھلواریؒ)۔

"سیدنا امیر المومنین علی ابن ابی طالب سلام اللہ علیہ نے فرمایا ہے: علم ہنر اور حکمت سمندر ہے، علماء ہنر کے کنارے گھومتے رہتے ہیں، حکماء و فلاسفہ بیچ سمندر میں غوطے کھاتے رہتے ہیں اور عارفین مزے سے نجات کی کشتیوں میں سیر کرتے پھرتے ہیں۔" ایضاً (ص ۱۲۹، مکتوب بنام شاہ عزیز فریدیؒ)۔

"سالک کو سلوک کے درمیان جو ادراکات ہوتے ہیں وہ چار طرح سے ہیں۔ رویت، معاملہ، واقعہ، مکاشفہ۔

۱۔ رویت: اس کو کہتے ہیں جو گہری نیند میں واقعات معلوم ہوتے ہیں۔

۲۔ اور معاملہ: وہ ہے جو بین النوم والیقظہ دیکھا جاتا ہے اور

۳۔ واقعہ: وہ ہے کہ اذکار و اشغال کی مشغولی میں جو بے خودی ہوتی

ہے اس حالت میں دیکھا جائے اور

۴۔ مکاشفہ: وہ ہے کہ جو بے مشغولی اذکار و اشغال بے خودی واقع ہو اور اس میں دیکھا جائے۔ الہام اس کے ماوراء ہے (ایضاً ص ۲۵۷ مکتوب بنام عبدالغفور بنگلوری)۔

بہاءالدین بہائی اور عبدالغفور ہمایونی رح

ہم سرزمین پاکستان کے صوبۂ سندھ کے جن دو اہل علم وفضل کا تذکرہ کررہے ہیں یہ ماضیٔ قریب ۱۲۸۱ھ کا دور ہے جب سندھ کے پیرپگاڑو حضرت سید حزب اللہ شاہ راشدی رح اپنے وارداتِ معنوی وروحانی کو تصوف واحسان کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی شاعری کے جوہر دکھارہے تھے، موصوف کا تخلص مسکین تھا اور جب مرزا قلیچ بیگ سندھی زبان اور ادب کی خدمت بجالاکر سندھ کو چار چاند لگارہے تھے۔ نیز جب مولینا عبدالغفور ہمایونی رح اپنے تفقہہ فی الدین کی وجہ سے فتاویٰ ہمایونی، اپنے مریدوں سے لکھوارہے تھے اور اس دور میں ضلع سکھر سندھ کی تحصیل میرپور ماتھیلو کے ایک درویش منش اور بوریا نشین عالم وعارف حق مولانا بہاءالدین رح بھی فن عروض ومعانی ونحو میں یکتائے روزگار تھے؛

آج ہم دونوں مذکورالذکر علماء حق کی علمی ودینی خدمات کا قدرے اختصار کے

ساتھ تذکرہ کریں گے، بفضلہ تعالیٰ۔

(۱) مولٰینا بہاؤالدین آملی

اہل تشیع کے مانند ہمارے مولٰینا بہاؤالدین بن جلال الدین بہائی قبیلہ پتافی بلوچ سے تعلق رکھتے تھے اور اہل السنۃ والجماعۃ تھے۔ سلسلۂ چشتیہ کے خانوادۂ کوٹ مٹھن ضلع ڈیرہ غازی خان کے غیر معمولی مشہور اہل اللہ خواجہ غلام فریدؒ سے بیعت تھے، نقشبندیہ سلسلے میں ضابطہ ہے اور چشتیہ سلسلہ میں رابطہ، اس بناء پر مولٰینا بہاؤالدین بہائیؒ صرف و نحو کے علاوہ فارسی ادب و شاعری میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، موصوف ۱۲۳۹ھ میں گوٹھ نصیر تحصیل گھوٹکی ضلع سکھر سندھ میں پیدا ہوئے، چونکہ غریب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اور والد بھی صغر سنی میں فوت ہو گئے تھے اس لیے مولانا بہائیؒ باقاعدہ علوم متداولہ و فنون مختلفہ حاصل نہ کر سکے، بچپن میں بکریاں چرایا کرتے اور اپنی بیوہ والدہ ماجدہ کی خدمت کرتے رہتے، اپنے والد کی وفات کے بعد شہر "گھوٹکی" کے مشہور عالم دین سید علی اکبر شاہ جیلانیؒ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ابتدائی فارسی تعلیم کے بعد عربی کی مختلف کتب پڑھیں اور غیر معمولی ذوق و شوق نیز خداداد ذہانت کے سبب وہیں گھوٹکی ضلع سکھر میں عربی مدرس تعینات ہو گئے، کچھ عرصہ بعد ضلع جیکب آباد سندھ تحصیل کندھ کوٹ کے ایک مدرسہ عربیہ غوث پور میں مدرس ہوئے۔ پھر اس کے بعد تحصیل میرپور ماتھیلو کے گوٹھ مٹھا خان لغاری میں مدرس ہو گئے اور زندگی کے آخری ایام وہیں گزارے، ایک سو چودہ ۱۱۴ سال کی طویل عمر پا کر وہیں ۱۳۵۲ھ، ۲۳ محرم الحرام، جمعرات ۵ بجے رات کو فوت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

اپنے زمانۂ تدریس میں مولانا بہاء الدین بہائی رح چشتی نے اکثر وقت تصنیف و مطالعہ میں صرف کیا اور فارسی شاعری میں جو تصوف اور قرآن کی روشنی میں ہوتی۔ پورا دیوان غزلیات کا لکھ ڈالا، یہ پورا دیوان راشدیہ پریس میر لوپر ما تھیلو میں شائع ہوا، جو اب نایاب ہے۔

چونکہ مولانا بہائی رح حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے مرید اور عقیدت مند تھے اور بہاول پور کے نواب بھی ان کے پیر بھائی تھے اسی لیے حکومتِ پاکستان کی سابقہ ریاست بہاول پور کے نواب محمد بہاول خان عباسی نے ان کی تصانیف اپنے ذاتی انہماک اور توجہ سے شائع کرائیں۔

مولینا بہاء الدین بہائی رح کی تصانیف کی فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ واقعی مولانا بہائی رح ایک عظیم شاعر، ادیب اور عالم باعمل شخصیت کے مالک تھے۔

مولینا بہاء الدین بہائی کی تصانیف

مولینا بہائی کی تصنیفات کی مجموعی تعداد نظم و نثر فارسی ستر[17] ہے اور سندھی چار ہے۔ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:-

۱- بدر العروض- فارسی صادق الانوار پریس بہاول پور سنہ ۱۹۰۳ء-
۲- تذکرۃ القوافی ایضاً راشدیہ پریس- میر لوپر ما تھیلو ضلع سکھر سندھ،
۳- یاد خدا منظوم فارسی (مثنوی) مطبوعہ بلالی پریس- انبالہ
۴- مثنوی بہائی رح ایضاً سنہ ۱۹۰۴ء

۵ - دیوان نعتیہ فارسی

۶ - خور و خواب بر تتبع کتاب نان و حلوا بہاء الدین آملی، مطبوعہ بلالی پریس
انبالہ بہ فرمائش نواب خامس ریاست بہاول پور ۱۹۰۲ء -

۷ - دیوان بہائی مطبوعہ راشدیہ پریس میر پور ماتھیلو -

۸ - سرمایۂ اخلاق احسن - فارسی صادق الانوار بہاولپور ۱۹۰۴ء

۹ - ما شہیدان ایضاً ایضاً (بر تتبع ما مقیماں منظوم فارسی)

۱۰ - رباعیات بہائی ؒ فارسی - صادق الانوار بہاول پور ۱۹۱۰ء مطبوعہ

۱۱ - کریما بہائی بر تتبع کریما سعدی ؒ ایضاً ۱۳۲۱ء ؒ

۱۲ - دُرِّ منظوم فارسی ایضاً ایضاً

۱۳ - مجمع القواعد علم البدیع المعانی فارسی، مطبوعہ بہاول پور ۱۹۲۱ء

۱۴ - مجمع الفوائد ایضاً ایضاً

۱۵ - داستانہ عاشقانہ منظوم فارسی ایضاً ایضاً

۱۶ - مرآۃ الخیال منظوم فارسی - صادق الانوار، بہاول پور ۱۹۲۱ء

۱۷ - تنبیہ نجدی - نثر فارسی -

اس کے علاوہ حسب ذیل سندھی کتابیں مولینا بہائی کی تصانیف ہیں:-

ا - تنبیہ الغافلین (فقہ) سندھی

ب - حضرت بلال ؓ (سیرت) ؒ

ج - اشتر نامہ منظوم ؒ

د - خطبات جمعہ و عیدین ؒ

مولینا بہاء الدین بہائی رح کے چھ فرزند ہوئے ان میں سے سب سے چھوٹے فرزند مولینا عبدالرحمٰن ضیائی نقشبندی ہیں جو علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور بذلہ سنج، فارسی شاعری کے مقتدر شاعر اور عالم باعمل ہیں۔

مولانا بہائی رح کی فارسی شاعری

مولینا موصوف نے مختلف اصناف سخن میں شاعری کے شاہکار اپنی چھوڑے ہیں۔ بطور نمونہ کچھ اشعار ہم قارئین کی نذر کرتے ہیں کہ ؎

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر!

قصیدہ

باعث ایجاد ما ئیم از پئے ہر دو جہاں	ہر دو عالم فی الحقیقت منت احسان ماست
طالب ذات خدائیم، و خدا مطلوب ماست	درد مند از دیم و درد حق درمان ماست

مدا حیہ اشعار ؎

بہ بازار حساب حشر چوں رحمت کند جلوا
بطاعت خندہ ہا، باشد لب دندان عصیاں را
عنان اختیار خود سپردہ استم بدست او
بہائی از دل و جان بندہ ام آں شاہ خوباں او

غزلیات فارسی!

گے توانم شد ترش از تلخی غم ہائے تو
اے کہ چوں شیریں بمن در کوہکن جا کردہ!
بعشاق ای ستم گر بر سر پیکار می آید
دو ابرو تیغ و مژگان خنجر و شوخی سامانش!

قطعۂ تاریخ وفات

از عبدالرحمان ضیائی ابن مولانا بھائی رح

بہاءالدین بہائی شاعر سندھ
بہ صبح جمعہ از دار فنا رفت
مہ شوال در روز بست و چہارم
سن وصلش بخوان سوئے خدا رفت
۱۳۵۲ھ

مولینا عبدالغفور ہمایونی رح مولینا بہاؤالدین بہائی رح سندھی رح کے بارے میں فرمایا کرتے کہ مجھے ذاتی طور پر شغف فقہی مسائل اور حدیث سے ہے تاہم بسا اوقات غیر اختیاری طور پر نعتیہ شعر بھی سندھی اور فارسی میں بے ساختہ کہتا ہوں تو ان کی اصلاح اپنے عصر مولینا بہائی رح سے لیا کرتا ہوں"۔

(۲) مولینا ہمایونی رح

اب ہم مولینا بہائی رح کے ہم عصر اپنے عہد کے عالم و عارف حق فقہ و حدیث کے ممتاز حیثیت کے مالک مولینا ہمایونی رح کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

سندھ صوبے کے یہ باکمال عالم و فاضل ۱۲۶۱ھ میں بہ مقام گوٹھ ہمایوں تحصیل شکارپور ضلع سکھر سندھ میں پیدا ہوئے۔ موصوف کے والد ماجد مولینا محمد یعقوب رح بلوچستانی علاقے جھٹ پٹ کے باشندے تھے، گوٹھ ہمایوں کے زمیندار غازی سومرو کی استدعا پر مولینا ہمایونی کے والد نے دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی، اس مدرسۂ اسلامی کی تعلیم و تربیت سے مولینا عبدالرحمن ساکھرو رح مولینا نور محمد شہداد کوٹی رح، مولینا عبداللہ رستمی رح اور مولینا عبدالستار رح مشہور شاگرد شمار ہوتے ہیں، اس کے علاوہ قلات، مکران اور افغانستان سے طلبہ حصول علم دین

کے لیے آیا کرتے، مولینا عبدالغفور ہمایونیؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحبؒ سے حاصل کی، حصول تعلیم کے دوران مولینا کے والد ماجد وفات پا گئے، اُدھوری تعلیم کی تکمیل آپ نے مولینا سلطان محمد سیتا پوریؒ سے کی، فارغ التحصیل ہونے کے بعد موصوف نے تدریس کا فریضہ ادا کرنا شروع کیا اور اپنے مدرسہ میں جو گوٹھ ہمایوں ہی میں تھا، دینی طلباء کو تفسیر و حدیث، فقہ و اصول فقہ کی تعلیم دینی شروع کردی، سندھ کے گرد و نواح کے طلباء اور دُور دراز کے علاقوں کے طلباء آن کر علوم دینی سے فیض یاب ہونے لگے۔

مولانا ہمایونیؒ کی فتاویٰ اور فقہی مسائل کے جزئیات کے حل کا علماء سندھ میں شہرہ ہے، موصوف فتویٰ نویسی کے علاوہ فن طب میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اور غرباء و مساکین کا معالجہ فرمایا کرتے، تدریسی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف پر ذاتی طور پر خاصی توجہ مبذول فرمائی، طب میں "فرہنگ ہمایونی" تصنیف کی، فقہ کے مسائل پر دو جلدیں فتاویٰ ہمایونی کی اہل علم میں مشہور و متداول ہیں۔ نیز ایک کتاب درالمنثور تالیف فرمائی۔

مولانا ہمایونیؒ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی سے بھی بہرہ ور تھے۔ سینکڑوں لوگ موصوف کی خدمت میں دُعا طلبی اور روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے جوق در جوق آیا کرتے تھے اور انھیں دین کی تبلیغ فرماتے اور رشد و ہدایت سے بہرہ مند کرتے۔ سندھ کے مشہور علماء و مشائخ سے خصوصاً حضرت سید تاج محمود امروٹی، مولینا بہاءالدین بہائیؒ، شمس الدین خان بلبل، اور میر علی نواز علوی اور مولینا عبیداللہ سندھی علیہ الرحمۃ

سے موصوف کے خوش گوار تعلقات تھے۔

مولینا ہمایونی رح علوم اسلامیہ کے عالم و فاضل ہونے کے باوصف ادب اور شاعری سے بھی لگاؤ رکھتے تھے، ممدوح کا دیوان، "دیوانِ مفتون" کے نام سے (مجموعۂ کلام فارسی، سرائیکی اور سندھی) شائع ہو چکا ہے۔

مولینا کے شاعرانہ طرزِ سخن میں دلکشی، رچاؤ، بے ساختگی، اور استعارے کا خاص عنصر پایا جاتا ہے، فنی لحاظ سے مولینا ہمایونی رح ایک خاص اسلوب کے ماہر اور ان کے ہاں انفرادیت و جدت نئے نئے تجربات کیے ہیں۔

مولینا ہمایونی رح کی شاعری پر عشق رسالت مآب ص کا غیر معمولی اثر اور غلبہ ہے۔ نعتوں میں بھی غزل کا سا بانکپن ہے، ہم تبرکاً ایک (سندھی) نعت کے چند اشعار کا ترجمہ خوانندگان محترم کی خدمت پیش کرتے ہیں۔

ؔ اے میرے محبوب ص صرف میں ہی اکیلا آپ ص کی زلفوں کا اسیر نہیں ہوں سینکڑوں آپ ص کے شیدا اور فریفتہ ہیں۔

ؔ آپ ص کے دسترخوان لطف و کرم پر ہزاروں مہمان ہیں فقط میں ہی تنہا مہمانِ عزیز نہیں ہوں!

ؔ حوریں، فرشتے اور جن آپ کے غلام ہیں فقط میں ہی آپ ص کا مفتون نہیں ہوں۔

ؔ آپ ص کے دامانِ رحمت تلے شاہ و گدا سب امیدوارِ کرم ہیں! فقط میں عبدالغفور ہی پُرامید نہیں ہوں۔

زہے نصیب کہ مجھ پر اک نگاہ کرم ہو جائے صلی اللہ علیہ وسلم

ذکرِ مرشدِ کریم مدظلہ العالی

راقم الحروف کا عقیدہ اہلِ سنت والجماعت، مذہب، محبت، مشرب، ادب نیز مسلک قلندرانہ ہے بقول حضرت قلندر شہباز سیوستانی رح ؎

حیدریؑ ام قلندرم، مستم
بندۂ مرتضیٰ علیؓ ہستم

تاہم ع

چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک!

اس ننگِ بزرگانِ اہلِ تمیز کو سلسلۂ عالیہ رحمانیہ قلندریہ سے شرفِ نسبت ہے جس کا سرچشمہ اہلِ بیت اطہارؓ ہیں، خلفاء راشدین ہیں نیز اصحاب صفہ ہیں۔

ہمارے آقا و مولا و مرشد کریم حضرت مولٰنا سید اسد الرحمٰن شاہ صاحب شاہزادۂ قدسی اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقامھم، (سابق آستانہ مبارک۔ بھوپال) بقول علامہ سر محمد اقبال رح ؎

چشمۂ فیض تشنہ لب کے لیے
مرکزِ رشد بہر اہلِ صفا!

کوئی سمجھے تو ہے مقامِ قدس
آستانہ جنابِ قُدسی کا!

حال رونق افروزِ آستانۂ مبارک، بھون، تحصیل چکوال، ضلع جہلم، کی عمر مبارک اس وقت تقریباً بچاسی ۸۵ سال ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ ہم غلاموں پر حضور مرشد کریم مدظلہ العالی کا سایۂ شفقت و رافت تا دیر سلامت رکھیں،

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم -

آں حضرت کا لقب سید ناصر الدین محمد، اسم ذاتی سید اسد الرحمٰن اور عرفیت شہزادۂ قدسی ہے، تمام عمر مبارک شانِ استغناء و تجرید و تفرید نیز قلندرانہ انداز سے گزری ہے، فقر اضطراری نہیں اختیاری ہے۔

حضرت ممدوح کی تاریخ ولادت ۱۲ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ روز دوشنبہ بوقت صبح صادق ہے، عمر شریف کا چھٹا برس شروع ہوتے ہی ظاہری تعلیم کے ساتھ باطنی تربیت اپنے والدِ ماجد گرامی قدر حضرت سید حبیب الرحمٰن شاہ قلندر بھوپالیؒ رحمۃ اللہ علیہ سے پاتے رہے۔ علوم متداولہ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تکمیل کی غرض سے پانچ برس لاہور میں قیام فرمایا، اور مختلف علوم و فنون نیز معارف میں مہارت تامہ حاصل فرمائی۔

تعلیمات سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ والدِ بزرگوار نے ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ کو رحلت فرمائی۔

رحلت سے دو ہفتہ قبل ۹ ذی الحجہ کو آخری روزہ افطار فرما کر بعد نماز مغرب، تسبیح، مصلیٰ، کلاہِ قلندری اور خصوصی معمولات و اوراد نیز وظائف

کا قلمی مجموعہ حوالہ فرما کر ارشاد فرمایا"

"مجھے ہدایت ہوئی کہ تم کو اپنا جانشین مقرر کروں"

چنانچہ حضرت موصوف نے غیر معمولی ریاضت و مجاہدہ فرمایا اور متوسلین

کو رشد و ہدایت نیز دعوت و تلقین سے سرفراز فرماتے رہے، علماء و صلحاء

موجودہ عہد کے علاوہ مشاہیر اہل نظر بھی آں حضرت زید مجدھم کی شرف

صحبت سے فیض یاب ہوئے،

مثال کے طور پر مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ، مولینا

ابوالکلام آزادؒ لسان العصر اکبر الہ آبادیؒ جگر مرادآبادیؒ، حضرت نوح نارویؒ

علامہ اقبالؒ، مشہور اردو ادب کے نقاد علامہ نیاز فتح پوری، نیز خواجہ

حسن نظامی وغیرھم،

گلابی اردو بھوپال کے موجد ملا رموزی مرحوم، حضرت ساغر نظامی،

سیماب اکبرآبادیؒ، حفیظ جالندھری، حضرت مولینا تھانویؒ نے "ولی الاشرف"

کا خطاب بکمال شفقت ارسال فرمایا اور حضرت شاہ محمد سلیمان پھلوارویؒ نے

"حبیب الاولیاء" کا لقب عنایت فرمایا۔

حضرت مرشدنا مدظلہ العالی کا احسان و طریقت میں طریقہ رحمانیہ قلندریہ

ہے۔ آپ کے نزدیک وحدۃ الوجود اور نظریہ وحدۃ الشہود غیر ضروری ہیں۔

اس بحث و تمحیص میں حصہ لینا اور مناظرہ کرنا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات

سے متعلق صریح سوء ادبی ہے۔ علم کلام، فلسفہ اور منطق کے مباحث انسان

کو زمرۂ "یومنون بالغیب" سے خارج کر دیتے ہیں۔

تمام تربیر و سلوک کا ماحصل یہ ہے کہ دِل گرفتاری ماسویٰ اللہ تعالیٰ سے آزاد، اور خاطر حضور اور شہودِ حق سے معمور ہو۔ بقولِ مصنف "الطاف قلندریہ" قلندر آنست کہ از مقامات و کرامات گزشتہ باشد چوں عبدالعزیز مکی رض بر آں درجہ رسید، حضرت رسولِ خُدا وے را بہ خطاب قلندر ممتاز ساخت ؎

چوں کہ او از مصطفیٰ ؐ ایں نام یافت
در جہان معرفت ، آرام یافت

قلندری تجرید است از موانع و دُور کردن آنچہ از جانب خود است و باقی داشتن آنچہ از جانب حق تعالیٰ است سبحانہ، و تعالیٰ،
طریقۂ ایشان است اخفاء و عدم امتیاز از خلق و متواضع بودن و خود را در دائرہ عوام انداختن الخ"

شجرۂ طیبہ سید ناصرالدین محمد اسد الرحمٰن شاہ قُدسی بن سیف الحق حافظ سید حبیب الرحمٰن قلندر بن شاہ نجف علی اشرف بن خواجہ احمد چشتی بن قاضی القضاۃ سید فخرالدین ایزد بن خواجہ شرف الدین الٰہی قدہ بن سید قطب الدین بن خواجہ محمد عاقل بن زین الدین خواجہ محمد چشتی بن علا سید محمد رجل بن شیخ الاسلام سید ابی المکارم بن سید ابی المحاسن بن شاہ ابو الفیض بن ابو الفضل بن سید عبدالباقی بن سید ابو المعالی بن سید ابو الواھب بن سید ابو الحیات بن سید محمد ناصر بن سید محمد ماہ بن شاہ محمد میر بن میر مسعود بن میر محمود بن سید ابی احمد بن میر داؤد بن سید ابی ابراہیم بن سید محمد اعراجی بن سید موسیٰ مبرقع بن سید محمد تقی بن سید امام علی رضا بن سید امام موسیٰ کاظم بن سید الامام جعفر الصادق بن

الامام محمد باقر بن سیدنا الامام زین العابدین بن سید الشہداء الامام سیدنا حسینؓ بن اسد اللہ الغالب امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب علیہم السلام اجمعین ،

تصنیفات

صراط مستقیم اور اطمینان قلب ، ان دو کتابوں میں قرآنی تصوف کی صحیح تعلیمات ہیں۔

تحفۂ درویش اور الطاف سبحانی ، اِن میں طریقہ کے مخصوص معمولات ہیں۔

علم بیان ، اور جہاں نما ، اِن دو کتابوں میں ٹھوس علمی اور دقیق نگارشات ہیں۔

معارف وطریقت اور علم وعرفان ، اِن میں تخلیق آدمؑ سے عالم آخرت تک کی قرآنی اسرار ورموز ہیں۔

شرعتہ المتین اور منہاج المبین — مستند اور صحیح منتخب احادیث کے مجموعے ہیں۔

رباعیاتِ قدسی ، یہ حضرت مرشد کریم مدظلہٗ العالی کے غیر معمولی عارفانہ اور قلندرانہ اعلیٰ کلام اردو اور فارسی رباعیوں کا مجموعہ ہے۔

بعض کرائف وسیر وسیاحت — حضرتِ اقدس کے والد گرامی قدر مولنا سید حبیب الرحمٰن شاہ قلندر گنگوہی ، ثم بھوپالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر مشائخ میں سے حضرت خواجہ قطب عالم اللہ بخش تونسویؒ نے اپنے مرید خاص خزان خان قندھاری کے ہاتھ کلاہ مصلےٰ بطور ہدیہ بھیجا ،

نیز اسی زمانہ میں حضرت غوث عالم حاجی سید وارث علی شاہؒ دیوہ شریف نے اپنا احرام مبارک تحفۂ خاص کے طور پر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ آپ ہمیشہ احرام پوش ہی رہیں - چناں چہ آں حضرت مرشد پاک کے والد ماجدؒ زندگی بھر

احرام پوش ہی رہے۔

ہمارے مرشد کریم مدظلہ العالی کی محترمہ والدہ ماجدہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا، سادات سبزواری کے خاندان سے تھیں۔ وطن کابل، افغانستان اور زبان فارسی تھی اردو نیز پشتو میں بھی گفتگو فرمایا کرتی تھیں، ذکر و فکر اور ریاضتِ عبادت کے ساتھ ساتھ ہفتہ بھر میں قرآن مجید کی تلاوت ختم فرمایا کرتی تھیں۔

حضرت سیدنا و مرشدنا قدسی اعلی اللہ تعالیٰ مقامہم نے پورے ہندوستان اور کشمیر کے تمام اولیاء اللہ الرحمٰن کے آستانوں اور خانقاہوں پر زیارت و اخذ فیضِ ربانی کے بعد ۲۴، ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ کو آستانہ مبارک بھوپال سے براستہ بمبئی جدہ تشریف فرما ہوئے اور پھر سرزمین حجاز کے سلطان عبدالعزیز بن سعودؒ فرمان روائے مملکت سعودیہ عربیہ، جلالۃ الملک کے مہمانِ عزیز ہوئے۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جہاں امراء و عوام سے ملاقات عام فرمائی۔ وہاں کبار مشائخ و علماء حرمین شریفین سے بھی خصوصی مشافہہ اور معانقہ ہوا، چنانچہ مدینہ منورہ کے شیخ الشیوخ حضرت سید امیر حمزہ رفاعیؒ نے آپ کو اپنا "خلیفۃ فی الہند" اور مجاز طریقت بنایا۔ اور مکہ مکرمہ کے شیخ المشائخ سید حماد العنینؒ نے بھی خلیفہ و مجاز منتخب فرمایا، نیز حضرت شیخ عبدالباقی الانصاریؒ نے اپنی تالیف "الاسعاد بالاسناد" کا ایک نسخہ اور سب سلاسل کی خاص اجازۃ بھی عطا فرمائی، جو خود موصوف کو حاصل تھی۔

حج سے فراغت کے بعد حضرت الشیخ البلاد المغربیہ سید مصطفیٰؒ وارد مدینہ منورہ ہوئے اور حضرت مرشدنا مدظلہ العالی کو تحریری اجازت نامہ بھی

عنایت فرمایا، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ (القرآن)

اس کے علاوہ جبل پور کے شاہ عبدالرحیم سندیلوی، نقش بندیؒ و حضرت سید محمد فضل شاہ قلندر کاشمیریؒ خلیفہ حضرت سید گل حسنؒ شاہ قلندرؒ پانی پتیؒ بھی آستانۂ مبارک بھوپال حاضر ہوئے۔

اس دور کے امراء و اہل تمول جو درویش دوست اور بزرگوں کے عقیدت کیش تھے، مہاراجہ کشن پرشاد، حیدر آباد دکھن، نواب عبدالحفیظ خاں ریاست ٹونک، نواب عبدالخالق خان مانگرول۔ کاٹھیاواڑ، نیز نواب سلطان جہان بیگم فرمانروائے ریاست بھوپال، بھی حاضر آستانۂ مبارک ہوئے۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء (القرآن)

خصائل واخلاق

یہ محض حسن عقیدت ہی نہیں بلکہ خدا گواہ حقیقت ہے کہ ہمارے حضرت مرشدِ برحق "تخلقوا باخلاق اللہ تعالیٰ" کا مکمل نمونہ ہیں۔

انسانی فطرت ہے کہ دوست اور دشمن میں امتیاز کرے لیکن حضرت مرشد نازید مجدھم کی نگاہِ کرم دونوں پر یکساں ہے۔

اثر صحبت

بقول مولائے رومیؒ ؎

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

آں حضرت مدظلہ العالی کی شرفِ صحبت، سرمایۂ تسکین و راحت ہے، جس سے ہر مضطرب قلب اطمینان حاصل کر سکتا ہے، آپ کی بارگاہ میں بچہ، جوان

اور بوڑھا بغیر امتیاز ملت و مذہب خوش باش اور زندہ دل رہتا ہے۔

یہ امر واقعہ اور خدائے بزرگ و برتر کا خاص فضل ہے اور رحمت ہے کہ آپ کی صحبت میں چند روز کے بعد انسان کا دل خرافاتِ دنیاوی سے بیزار، اور ذکر و عبادت کی جانب مائل ہو جاتا ہے۔

طبیعت رذائل سے متنفر ہو کر فضائل و اخلاق جمیلہ کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ آں حضرت کی نظر فیض اثر سے دُکھ، درد قطعاً دُور ہو جاتے ہیں۔

ہمدردی و ایثار جذبۂ ایثار و قربانی اگر نام ہے سب کے بعد خود سے محبت کرنا، دُوسروں کے مفاد کو اپنے ذاتی فوائد پر مقدم سمجھنا، تو بحمد اللہ تعالیٰ اس کی زندہ جاوید مثال بلکہ مثالی غیر معمولی شخصیت حضرت سیدنا قدسی قبلہ کی ذات کریم ہے، دل ہے تو غنی، نگاہ ہے تو سرچشمۂ لطف و کرم ہاتھ ہیں تو بارانِ رحمت، سینہ مبارک ہے تو سینائے انوار قدس،

الغرض آپ کا سراپا گل سر سبد، وجود ایک سر سبز و شاداب نہال ہے، جس کی سایہ گستری، گل افشانی، بہرہ وری سدا بہار نظر آتی ہے۔

استغناء اور بے نیازی شانِ بے نیازی کا مفہوم ہے کہ انسان اپنے حوائج و ضروریات میں اپنے ہم جنسوں سے امداد کا طلب گار نہ ہو۔

طریقت اور باطنی لحاظ سے تو ظاہر ہے کہ بے نیازی جادۂ سلوک کی پہلی منزل ہے اور اہل احسان و تصوف کا پہلا مرحلۂ شوق ہے جس کو طے کیے بغیر تزکیہ و تہذیبِ نفس بیکار ہے، شکر اللہ تعالیٰ کہ ہمارے حضرتِ اقدس میں یہ شانِ بے نیازی

اور خودداری اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ افروز ہے،

کیونکہ کامل درویشی کے لیے بلند خیالی، مستقل مزاجی، عالی حوصلگی، پختہ کاری نیز شانِ بے نیازی و غیر معمولی قلندرانہ انداز، جزو لاینفک ہیں۔

مراجعتِ پاکستان

چونکہ بیشتر مقامات زمانۂ طالب علمی اور زیرِ سیاحت میں دیکھے ہوئے تھے۔ بہت غور و تجسس کے بعد پنجاب میں ضلع جہلم کے کوہستانی علاقہ کو پسند فرما کر آستانۂ مبارک، بمقام بھون تحصیل چکوال میں قیام فرمایا۔

اب حضرت مرشدنا مدظلہٗ العالیٰ اسی آستانہ مبارک میں رونق افروز ہیں، متوسلین ملک و غیر ممالک کی آمد کا سلسلہ جاری ہے، باوجود ضعیف العمری اور علالت و ناتوانی جسمانی لوگوں کو ارشاد و ہدایت سے مستفیض فرماتے ہیں اور حاجتمندوں کے لیے دعاء خیر فرماتے ہیں،

آستانۂ مبارک میں تقریباً ۲۴ سال قیام کے دوران کبھی بھی کسی اپنے غلام اور مُرید نیز متوسل کی دعوت پر کسی کے گھر تشریف فرما نہیں ہوئے گویا،

الاستقامت فوق الکرامت کا مصداق ہیں،

زیادہ کیا لکھوں، علم محدود، عمل مفقود اور عقل قاصر ہے۔ اللہ بس باقی ہوس،

ملفوظات

اپنی کم سوادی اور کم نصیبی ہے کہ نثر پارے محفوظ نہ کر سکا۔ دیگر برادرانِ سلسلہ رحمانیہ قلندریہ اور متوسلین کا دامانِ خوش بختی اس دولت بے بہا ملفوظات و ارشادات گرامی سے مالا مال ہے۔

لوا[illegible]تِ قدسی، مرتبہ سید افتخار حسینؒ ناطق گوالیاری سے چند رباعیاں تبرکاً و تیمناً نقل کرتا ہوں اور قارئینِ "مقالاتِ رحمانی"، کو ہدیہ صدق و اخلاص پیش خدمت کرتا ہوں، بقول سائیں بابا رحمانی مرحوم ؎

کیے جا خطیبؔ اپنے مرشد کی خدمت!
توسّل سے اُن کے خُدا تعالیٰ بھی ملے گا

رباعیات بصورتِ ملفوظات

روحانی مقاموں کو نہ پایا تُو نے
اس مادی عالم ہی کو دیکھا تو نے
مانا کہ خُدائی کا خلاصہ ہے تو
خود اپنی حقیقت کو نہ سمجھا تو نے

کہنا ہے تو اپنی آنکھ بینا کر لو
توبہ کر لو گنہہ سے توبہ کر لو
ہو جائیں گی مشکلیں کسی دن آساں
اپنے اللہ پر بھروسہ کر لو

دُنیا کا نہ مرتبہ نہ دولت اچھی
اچھی ہے اگر تو بس محبت اچھی
ہوں عشق کا دیوانہ، بہت اچھا ہوں
میری تو یہی خراب حالت اچھی

بچپن فانی، تری جوانی فانی
فانی ہے، تمام زندگانی فانی
اللہ تعالیٰ سے لَو لگا، کہاں کی دُنیا
باقی باقی ہے، فانی فانی

داغ غم عشق ہم چو ماہے دارم

تاریکیٔ شب جو صبح گاہے دارم

یا ہم ہمہ آفاق و دنیا ہم چیزے

درویشم و دل جو بادشاہے دارم

متعنا اللہ تعالیٰ بطولِ بقائہٖ وافاض اللہ علینا من فیوضاتہ وبرکاتہ۔

سگِ آستانۂ مبارک

خطیب رحمانی

اسلام آباد

ماخذ و کتب

(۱) "تذکرۂ قلندر زمان" از حسن عزیز جاوید رحمانی، مکتبۂ قدسی، فیریئر روڈ کراچی ۵۔

۲۔ "فیضانِ قدسی" از محترم صوفی جبیب اللہؒ رحمانی، کاشمیری، گوشۂ ادب، انارکلی لاہور۔

۳۔ "نعمتِ عظمیٰ" از حکیم سید نذر حسینؒ رحمانی شاہ جیلانی، گوشۂ ادب، انارکلی لاہور۔

۴۔ "رباعیاتِ قدسی" از سید افتخار حسینؒ ناطق رحمانی، (ایڈووکیٹ) مکتبہ قدسی، فیریئر روڈ کراچی ۵۔

۵۔ "تصانیف" از حضرت مرشدنا الکریم جبیب الاولیاء قلندر زماں مولینا وسیدنا السید ناصر الدین محمد اسد الرحمٰن شاہ صاحب اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقامھم

شاہزادۂ قدسی مدظلہ العالی - (آستانۂ مبارک، بھون، تحصیل چکوال ضلع جہلم، پاکستان)-

مطبوعہ:- جید برقی پریس دہلی (بھارت) و گوشۂ ادب، انارکلی لاہور، مکتبۂ رحمانی، $\frac{۲۳۸}{۲۰}$ فیڈرل بی ایریا۔ کراچی ۳۸، پاکستان و آستانۂ مبارک، بھوپال (بھارت) و مکتبۂ رحمانی - ۲۷-بی-جی-۱۰ سی (بہاول پور)

۶- "اقبال اور بھوپال" از صہبا لکھنوی، مدیر ماہنامہ، افکار، رابسن روڈ کراچی۔

۷- "حالاتِ قدسی" اقبال حسین خان بی-اے، ایل-ایل بی، ندیم خاص نواب صاحب ریاست بھوپال (بھارت)۔
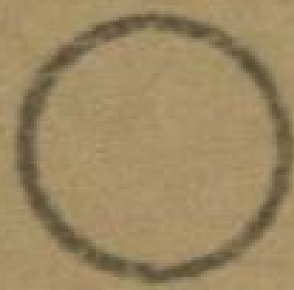
اقبال اور مُلّا

فنون لطیفہ کے عناصر ثلثہ موسیقی، مصوری اور شاعری کے فروغ کا جہاں تک تعلق ہے، شاعری کے فن میں علامہ محمد اقبال مرحوم کی شاعری محض الفاظ کا پیچ و خم اور لفظی تراشش خراش ہی نہیں ہے، بلکہ عالم الفاظ سے کہیں دور عالم معانی اور عالم اثر کا ایک جہاں نو آباد ہے۔

اقبال کی شاعری میں ایک عظیم اور غیر معمولی مقصدیت نیز نصب العین سے بھر پور فلسفہ و حکمت ہے۔ حکمت یونانی نہیں حکمت قرآنی نے شاعری کا خوبصورت روپ دھار لیا ہے، عقل بے مایہ جو امامت کی ہرگز سزاوار نہیں اور شتر بے مہار ثابت ہوئی ہے۔ جب یہی عقل (عشق) وحی الٰہی کے تابع ہوتی ہے تو انسانیت اپنے معراج کمال پر پہنچ جاتی ہے۔

عقل عیار ہے، خود غرض ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔ لیکن عشق بے چارہ بے غرض، نڈر اور سراپا ایثار و قربانی ہے۔ اہل عشق اہل محبت اور اہل طریقت ہی نے خود دین و اخلاق خدا پرستی اور نیکوکاری کے سانچے میں ڈھل کر مخلوق خدا

کی بے لوث خدمت کی ہے۔

انہی اہل عشق کو قرآن حکیم نے اولیاء الرحمٰن کے خطاب اور اعزاز سے نوازا ہے جو قرآن حکیم کے الفاظ و معانی نیز اثرات کے حامل ہوتے ہیں اور جن کی فیضانِ نظر سے۔ تاثیر نگاہ سے تقدیریں بدل جاتی ہیں ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس کے برعکس ایک مذہبی اجارہ داری اور فی سبیل اللہ جہاد کے بجائے فتنہ و فساد برپا کرنے والا گروہ ہے جو اقبال کی خاص اصطلاح میں "ابلہ مسجد" ہے۔ یہ ناداں اُس وقت بھی (تنزل) سجدہ میں گر جاتا ہے جب کہ قومیں حالت قیام (ترقی) میں ہیں۔ یہی "ملا" ہے جو اپنے ذاتی اغراض کے لیے مذہبی گروہ بندی کو اپنے دامن سے ہوا دیتا ہے اور مذہب کے رنگ میں رہبری کا دم بھرتا اور دعویٰ کرتا ہے۔ حالانکہ یہ رہبر نہیں رہزن ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اقبال نے بڑے دُکھ، درد اور الم سے اس "مُلا" کا حدود اربعہ اور جغرافیہ ہمیں بتلایا ہے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس "ملا" کے دام تزویر میں بُری طرح پھنس جائیں اور دین و دُنیا کا خسارہ سستے داموں مول لے لیں۔

اعاذنا اللہ من علماء السوء والباطل۔

تاہم علماء حق اس ملاؤں کے گروہ سے مستثنیٰ ہے۔ جن کا ہم تہ دل سے احترام کرتے ہیں اور اس ابلہ مسجد ملا کے جو سرتاپا رجعت پسند ہے دوست تہذیب کے فرزند مسٹر کے متعلق ہم کسی دُوسری صحبت میں ذکرِ خیر کریں گے۔ زیادہ کیا کہیں اقبال کا ایک مصرعہ ہی اک مقالہ کا خاصا طویل موضوع ہے۔

چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

ترجمان حقیقت علامہ اقبال نے معاشرے کی جونک صدقہ وخیرات نیز زکوٰۃ ڈکار لیے بغیر ہضم کرنے والی اس مخلوق مُلّا پر جس انداز سے طنز اور تعریض کی ہے۔ اس کا مقصود اصلاح احوال ہے ہمیں اقبال کی شاعری اور فلسفہ میں جو مُلّا کا مرقع نقشہ اور تصویر ملتی ہے اس میں رنگا رنگ بوقلموں مختلف، متضاد رنگوں کا امتزاج ہے، اقبال کے نظریہ میں مُلّا کا سراپا کچھ یوں ہے۔ مُلّا کا دل سوز و گداز سے خالی ہوتا ہے ــــ وہ لغت ہائے حجازی کا قارون ہوتا ہے۔ وہ رمز دیں سے ناآشنا خاک کی آغوش میں تسبیح مناجات کرتا رہتا ہے۔ بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت ہے۔ فی سبیل اللہ جہاد کی جگہ فساد برپا کرتا رہتا ہے۔ خرقہ و عمامہ سے زیادہ سروکار رکھتا۔ جدل و قال و اقوال کی لفظی دنیا میں آنکھ کھولتا اور سانس لیتا ہے۔ نیز زیب محراب منبر ہوتا ہے باوجودیکہ اس کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہے اور اس کی خلوت و جلوت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ملّا کا دل غم جاناں میں گرفتار نہیں ہوتا۔ بلکہ غم دوراں اس کا اوڑھنا بچھونا ہوا کرتا ہے۔ مُلّا کی نگاہ ہے لیکن نم ناک نہیں ہے۔ اس کی ریگ حجازی میں زمزم نہیں۔ اُس کا دل محروم یقین ہے۔ برسر منبر اس کا وعظ اور کلام نیش دار ہوتا ہے سینکڑوں کتابیں اس کی بغل کی زینت بنتی ہے۔ لیکن زندگی بھر کتاب خواں ہی رہتا ہے۔ صاحب کتاب (صاحب دل) نہیں ہوتا۔ ہمہ اسباب خیر سے مایوس اور ناامید ہوتا ہے۔ الغرض وہ کور ذوق کم نگاہ اور کم ظرف ہوتا ہے۔ مُلّا کی اذاں میں سحر کا پیام نہیں ہوتا۔ اس کی غازہ میں نہ جلال نہ جمال ــ رہا کمال تو وہ ناممکن۔ مُلّا کی افان

اور مجاہد کی اذان میں جو فرق ہے۔ کرگس اور شاہین کی پرواز میں جو حد فاصل ہے وہی اقبال کی نگاہ میں انسان اور مُلّا میں ہے۔ دُوسرے الفاظ میں انسانیت دشمن شخصیت کا دوسرا نام مُلّا ہے۔ اب ہم آخر میں علامہ اقبال کے مختلف اشعار مشتاز بین کی نذر کرتے ہیں۔

حقیقت را بہ رندے فاش کردند	کہ ملا کم شناسد رمز دیں را
چناں نالیم اندر مسجد شہر	کہ دل در سینۂ ملاّ گدازیم
دیں کافر فکر و تدبیر و جہاد	دین مُلّا فی سبیل اللہ فساد
دلِ مُلّا گرفتار غمے نیست	نگاہش ہست در چشمش نمے نیست
دین حق از کافری رسواتر است	زانکہ مُلّا مومن کافر گر است

مندرجہ بالا اشعار کی روشنی میں ہر وہ شخص جو عالم ملاّ (ابلہ مسجد) کہلاتا ہے اور ہر وہ شخص جو تعلیم یافتہ مسٹر (تہذیب کا فرزند) کہلاتا ہے اور اپنے علم پر عمل پیرا ہونے کے بجائے بے عمل ہے تو اس کی مثال قرآن حکیم میں اُس دراز گوش کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے اور وہ (دراز گوش کا دراز گوش) ہی رہے، ظاہر ہے کہ انسانیت کی ترقی حیوانیت پر نہیں انسانیت پر ہے اور انسانیت کا سرچشمہ علم ہے، علم بغیر عمل کے بیکار ہے ہر موقعہ پر عمل کی ضرورت ہے۔ بقول اقبال

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں — عشق پر اعمال کی بُنیاد رکھ

(مطبوعہ تاج کراچی)

فضائل و مسائل رمضان

ازل سے اِس کائناتِ رنگ و بُو میں عالم خلق اور عالم امر کے صرف دو ہی قانون رائج اور کار فرما رہے ہیں اور آج بھی ان ہی قوانین کا فعال اور مؤثر ہونا حقائق و واقعات کی دُنیا کا عام مشاہدہ ہے۔

۱۔ ایک قانونِ تکوینی ہے جس کے پابند جمادات، نباتات نیز حیوانات ہیں۔ انسان بھی اس قانون کی ہمہ گیری سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس کا عام تجربہ اور مشاہدہ کے مطابق مثال سنکھیا اور دودھ کی ہے، ایک اگر مہلک ہے تو دُوسرا اکسیرِ حیات ہے۔

۲۔ دوسرا قانون، قانونِ تشریعی ہے جس کے پابند صرف انسان ہیں وہ انسان جن کی فطرتیں مسخ نہیں ہوئیں۔ جن کی جبلتیں ماؤف نہیں ہوئیں اور جن کی طبیعتوں میں ابھی تک فساد پیدا نہیں ہوا، اس کی مثال جھوٹ اور سچائی کی ہے۔

جھُوٹ انسان کی اخلاقی، ذہنی معنوی ذہنیت کا مظاہرہ کرتا ہے اور سچ اس کے

برعکس اپنے ثمرات اور نتیجے ظاہر کرتا ہے۔ اسی دوسرے قانونِ تشریعی یا اخلاقی کا نام اسلام ہے۔ شیوۂ تسلیم و رضا کے سانچے میں ڈھل جانے کا نام اسلام ہے۔ امن و سلامتی کے گہوارے میں عافیت پانے کا نام ایمان اور ظاہر و باطن کی ہم آہنگی نیز صدق و اخلاص کا نام احسان ہے۔ زندگی میں آپ یقیناً موسموں کے تغیر و تبدل سے متاثر اور دوچار ہوتے ہیں، خزاں سے اور بہار سے آپ کے جسم کا عدد و اربعہ، بدن کا جغرافیہ اور مادی جسم متاثر ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا اس موسم سے! سرما سے گرما سے، خزاں سے بہار سے، ربیع سے، خریف سے، ہماری "روحیں" بھی متاثر ہوتی ہیں۔ جس طرح موسم سرما میں ہمارا جسم سکڑ جاتا اور خشک ہو جاتا ہے۔ کیا ہماری "روح" بھی اسی طرح موسم سرما سے سکڑتی اور موسم گرما سے پھیلتی ہے! یقیناً نہیں! اس کا جواب ہے!

ماہ رمضان فصلِ بہار کا موسم ہے جس کی آمد آمد سے ہماری روحیں کیف و مستی حاصل کرتیں اور جذب و شوق پاتی ہیں۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (پ۲ ع۷)

ارشادِ خداوندی ہے یہی وہ فصلِ بہار کا خوشگوار و مبارک مہینہ ہے جس میں محرومِ یقین، پریشان حال اور پراگندۂ روزگار بے چین روحیں "مسرت و سکون" محسوس کرتی ہیں، یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں عالمِ انسانیت کے رشد و ہدایت کے لیے، یہ ہدایت وجدان و شعورِ انسانی کی ہے یا حواس خمسہ کی، قرآن حکیم کے جشنِ نزول کا یہ مہینہ جو کسی بداماں آ رہا ہے خوش بخت اور خوش نصیب ہیں۔

وہ اہلِ ایمان جو رمضان المبارک کے روزے رکھیں گے اور راتوں کو سُنتِ تراویح ادا کریں گے نیز دن کو تلاوتِ قرآن حکیم کا حق تلاوت ادا کریں گے۔

فضائل جہاں تک رمضان المبارک کی فضیلتوں، حکمتوں اور مصلحتوں کا تعلق ہے۔ احادیث نبویؐ کا مقدس ذخیرۂ روایات، صحیح سند کے ساتھ موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے —— قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، مَنْ صَامَ رَمَضَانَ مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی آخِرِہٖ خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِہٖ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ (بخاری)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو شخص روزے رکھے ماہ رمضان میں اوّل سے آخر تک گویا وہ نومولود ہے اور گناہوں سے معصوم و پاک پیدا ہوا ہے۔

حضرت شیخ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:۔

اَلصَّوْمُ نِصْفُ الطَّرِیْقَۃِ —— روزہ بھی نصف طریقت ہے۔

نیز خواجہ مظفر کوہستانیؒ فرماتے ہیں رُوح کا روزہ یہ ہے کہ یادِ الٰہی میں مشغول رہے، نفس کا روزہ نفسانی خواہشات پر قابو پائے اور عقل کا روزہ یہ ہے کہ خلافِ عقل کوئی بُرا کام نہ کرے۔

حضرت امام محمد شیبانیؒ فرماتے ہیں۔ آنکھ کا روزہ یہ ہے کہ بُری چیزیں نہ دیکھے، کان کا روزہ یہ ہے کہ اُن سے کوئی کلام فحش نہ سُنے، زبان کا روزہ یہ

ہے کہ بے ہودہ گفتگو نہ کرے۔ ہاتھ کا روزہ یہ ہے کہ اُن سے کوئی کام خلافِ شریعت کرے، پاؤں کا روزہ بُری اور بدنام جگہوں پر جانے سے احتراز کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فرمایا :-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (پ۲ ع)۔

اے اہل ایمان و یقین تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے اہل کتاب پر فرض کیے گئے تھے۔

توراۃ میں رمضان المبارک کو "حط" انجیل میں "طاب" زبور میں "قربتہ" اور قرآن میں "صوم" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

مقصود ما، ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بدان آستاں رسد!

روزہ کا مقصد "تقویٰ" ہے قرآن حکیم اور حدیثِ رسول کریمؐ کی روشنی میں مفہوم ذمہ داریوں کا احساس ہے اور بُرائیوں سے پرہیزگاری ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَ غُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ وَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ (مسلم)

(ترجمہ) جب ماہ رمضان آتا ہے تب جنت کے دروازے کھلتے، دوزخ کے دروازے بند ہوتے اور شیاطین قید کیے جاتے ہیں۔

مشہور احادیث اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ ۔ روزہ ڈھال ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ ۔ روزہ ہمارے لیے ہے اور ہم (خدائے بزرگ و برتر) ہی اس کا اجر و صلہ عطا کریں گے ۔ (صحاح ستہ)

اعتکاف سُنت مؤکدہ ہے ۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ ، دس دنوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں بیٹھنا پسند فرمایا کرتے تھے اور بیٹھا کرتے تھے ، حضرات صوفیاء کرام اور اولیاء الرحمٰن کے نزدیک اعتکاف میں بیٹھے تو اپنے آپ کو مردہ تصور کرے اور تصرف و ارادہ نیز مختار حقیقی مؤثر حقیقی حق تعالیٰ کو یقین کرے تاکہ معنوی اور روحانی فیوضات و برکات حاصل کرے ۔

لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ایک مبارک رات ، دھلی ہوئی رات اور سحر کے مانند بے داغ معصوم رات لیلۃ القدر ہے جس کی شان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ۔ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے ۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اَفْضَلُ اللَّیَالِیْ لیلۃ القدر ۔ سب راتوں میں بہتر رات لیلۃ القدر ہے ، الغرض اس رات میں ذکرِ الٰہی ، تلاوت کلام پاک اور درود شریف سے اپنے لمحات اور اوقات کو سرسبز و شاداب نیز آباد کیجیے اور ہر حال میں رجوع الی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے لیے اُمت مسلمہ کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعائیں مانگیے ۔

؏ ہر شب، شبِ قدر است گر قدر بدانی!

نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ مبادی ہیں، مقاصد نہیں، وسائل ہیں منازل نہیں، نیز ان تمام عبادات، بدنی، مالی اور روحانی کا مقصود و مطلوب رضائے ربّ ہے۔ تسلیم و رضا کا مدعا صبر ہے ؎

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حُنین بھی ہے عشق (اقبال)

نفسِ انسانی کی عام طور پر تین حالتیں ہیں۔ رمضان المبارک کے (صوم) روزہ کا مقصد اصلاحِ نفس ہے۔

۱۔ اگر نفسِ انسانی احکام الٰہی تعالیٰ سے سرکشی اور بغاوت پر ہر وقت مستعد اور آمادہ رہے تو نفس انسانی کی یہ حالت اور کیفیت و کمیت "امارہ" کہلاتی ہے عموماً یہ قساوت قلبی، دل کا زنگ اور بدبختی "کافر" ناشکرے انسان کی علامت ہوتی ہے۔

۲۔ قرآنِ حکیم کی حکمت و موعظت کی روشنی میں انسان کے وجدان پر خیر و شر کا الہام ہوتا ہے۔ جب وہ نیکی کا کام کرتا ہے تو اس کا وجدان اور ضمیر شہادت دیتا ہے کہ تم احکام خداوندی کی حکم عدولی اور خلاف ورزی کر رہے ہو۔

اگر انسان کے نفس کی یہ کشمکش کی حالت ہو کہ کبھی خیر۔ نیکی کا چولا جامہ پہن لے اور کبھی کبھار شر اور برائی کا لبادہ اوڑھ لے تو اس حالت کا انسان قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں "منافق" دوغلا، دورخا اور ختل کا

اندھا کہلاتا ہے، کہ ہمیشہ تذبذب کی حالت میں رہتا ہے کبھی سراپا یقین ہو کر برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نفس کی یہ دوسری حالت "لوّامہ" کہلاتی ہے۔

۳۔ انسان کے نفس کی تیسری اور آخری حالت یہ ہے۔ جسے ہم انسانیت کی معراج اسلام کا طرۂ امتیاز اور دین کی مابہ الامتیاز حالت کہتے ہیں وہ نفس "مطمئنہ" ہے، جس کا قال، حال اور مآل کار (انجام کار) وَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ (البقرہ) وہ اہل ایمان ہر حال میں راضی برضا اور راضی بعطا رہتے ہیں۔

رمضان المبارک کے روزہ سے مقصود اور مطلوب یہی صبر و رضا، تسلیم و شکیب اور ہر لحظہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی شان لطف و عطا پہ مطمئن رہنا ہے اور یہی روزہ کا مقصد ہے۔ روز[illegible] رکھنا [illegible] حصولِ "تقویٰ" ہے اور تقویٰ کا ثمرہ اور نتیجہ شیوۂ تسلیم و رضا کا حصول ہے۔

مسائل

رمضان المبارک کے روزے ہر مسلمان پر جو پاگل اور نابالغ نہ ہو فرض ہیں جب کوئی عذر شرعی نہ ہو، چھوڑنا درست نہیں ہے۔ قضاء اور کفارہ کے روزے بھی فرض ہیں اُن کے سوا سب روزے نفل ہیں۔ روزہ میں زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ جب دل میں یہ دھیان ہے کہ آج میرا روزہ ہے تو اُس کا روزہ ہو گیا۔

اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کو ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ قبل روزے کی نیت کر لینا درست ہے۔ عوام میں رمضان المبارک کے مسائل کے بارے میں بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں یا پھر دین کی صحیح عظمت اور قدر و لوں سے

اُٹھ گئی ہے۔ اس لیے ہم علماء حق سے مسائل کے لیے رجوع نہیں کرتے اور نہ ہی خود توجہ مبذول کرتے ہیں۔

حالتِ نیند میں احتلام سے، سُرمہ لگانے سے خوشبودار تیل یا صابن استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر آپ ہی آپ قے ہو گئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر زبان سے کوئی چیز چکھ کر تھوک دی تو روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ مسواک سے دانت صاف کرنا درست ہے۔ افطاری کے لیے چھوہارے سے روزہ کھولنا بہتر ہے۔ رمضان المبارک کا روزہ عمداً توڑ دینے کا کفارہ لگاتار ساٹھ دن کے روزہ رکھنا ہے۔ اگر روزہ بوجہ ضعف و پیری یا مرض و بیماری نہ رکھ سکے تو ساٹھ مساکین کو کھانا صبح و شام کھلائیں۔

رمضان شریف میں اعتکاف کے دوران مباشرت سے پرہیز کرے۔ حیض و نفاس میں اعتکاف نہ بیٹھنا بہتر ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٥

مطبوعہ "تاج"، کراچی
۱۹۶۲ء

○

حضرت مجدد الف ثانیؒ

اسم گرامی و نسب مبارک آپ کا اسم گرامی احمد لقب بدر الدین کنیت ابو البرکات، منصب مجدد الف ثانی عرف امام ربانی، محبوب صمدانی تھا۔

نسب مبارک آپ کا ستائیس واسطوں سے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی شیخ عبدالاحدؒ تھا جو اپنے زمانے کے عالم باعمل اور صاحب زہد و اتقاد تھے۔

ولادت باسعادت حضرت امام ربانی محبوب سبحانی ۱۴ شوال سنہ ۹۷۱ھ ۱۵۶۳ء بروز جمعہ سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اوّلاً اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحدؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ان کی کیمیا صفت صحبت سے شرفِ نسبت و کسبِ فیض کیا۔

حضرت کی سجادہ نشینی حضرت شیخ عبدالاحدؒ جب وصالِ حق کو

پہنچے تو آپ نے اپنے تمام فرزندوں، خلفاء اور اپنے وقت کے علماء کو جمع کر کے وہ تبرکات جو سلسلہ سہروردیہ میں چلے آتے تھے اور کچھ جو شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے عطا فرمودہ تھے وہ سب حضرت مجدد الف ثانیؒ کو عنایت فرمائے۔

حضرت شیخ باقی باللہؒ سے شرفِ بیعت

آپؒ نے اپنے ایک دوست مولانا حسن کشمیریؒ کی تحریک پر خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے حجرے میں قیام ابھی بمشکل دو روز ہی ہوا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ پر ذوق شوق نے غلبہ کیا آپ نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی جسے حضرت خواجہؒ نے منظور فرمایا اور اپنے حلقے میں شامل کر لیا۔

حضرت خواجہؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو ذکرِ اسمِ ذات تعلیم فرمایا حضرت خواجہ کی توجہ اور کمالِ شوق کے باعث آپؒ پر گریہ طاری رہنے لگا۔

حضرت مجددؒ کی تجدید اور دعوت کا پس منظر

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بڑے پُر آشوب دور میں تبلیغ و اشاعتِ دین کا کام سنبھالا۔ عہدِ نبوت کو گزرے ایک ہزار برس ہو گئے تھے اور اسلام کی عمر کے دوسرے ہزار سال کا آغاز تھا۔ اعدائے اسلام نے منظم سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ ایک طرف مبتدعین کا گروہ تھا جو دینِ اسلام میں نئی نئی بدعات و رسوم پھیلا رہے تھے۔ دوسری طرف ملحد و بے دین صوفیوں کی جماعت عقائدِ اسلام کی صورت مسخ کر رہی تھی۔ ہندو اور نصاریٰ بھی احکامِ اسلام کو منسوخ کرانے میں بھرپور کوشاں تھے۔ ان تمام فریقوں اور گروہوں نے جو

اسلام کے خلاف مصروفِ عمل تھے، دربارِ شاہی میں جگہ پالی تھی، بادشاہِ وقت جلال الدین اکبر جو ابتدائے عہد میں علماء و مشائخ کی صحبتوں میں رہ کر راسخ العقیدہ مسلمان بن گیا تھا۔ اب اسلام کے خلاف استعمال ہونے والے سازشی جال میں بُری طرح اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ اس نے دربار میں احکام اسلام کی توہین شروع کی، رسوم کفریہ کو جاری کیا اور پھر ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جس کا نام اس نے دین الٰہی تجویز کیا۔

ملفوظات (اتباعِ سنت) حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایک شب بھولے سے بائیں پہلو لیٹ گیا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ سونے میں ابتداء دائیں پہلو سے کرنا سنت ہے جو ترک ہو گئی نفس نے کاہلی سے ظاہر کیا کہ سہو اور نسیان سے جو چیز سرزد ہو جائے وہ معاف ہے لیکن میں فوراً اٹھا اور پھر دائیں پہلو لیٹ گیا جس کے بعد فیوض و برکات کا ایک منبع میرے لیے پھوٹ پڑا۔

حضرت شاہ کمال کیتھلی کی عظمتِ شان ایک روز حضرت نے فرمایا کہ جب نظر کشفی سے غور کیا جاتا کیا جاتا ہے تو مشائخ سلسلۂ قادریہ میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح کے بعد حضرت شاہ کمال رح کے مثل اور کوئی شخص نظر نہیں آتا۔

بلا و مصیبت ہمارے اعمال کا نتیجہ ہیں اگر کوئی بلا یا مصیبت پہنچتی تو فرماتے یہ ہمارے اعمال و افعال کا نتیجہ ہے اور اس کا تدارک آپ صدقہ خیرات سے کرتے اور اسے ہی موجب سعادت ٹھہراتے اور اسی

کو ترقی کا زینہ خیال فرمائے۔

تعلیمات

(توحید کی تعریف) توحید سے مراد یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف کرنے سے خالی ہو جائے۔ جب دل ماسوائے حق میں مبتلا ہے اگرچہ بہت معمولی سا ہو وہ شخص توحید والوں میں سے نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں واحد ہے

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے اور تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے موجود ہیں اور حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں یگانہ ہے اور فی الحقیقت کسی امر میں وہ وجودی ہو یا غیر وجودی کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

تصانیف

آپ کی تصانیف کی صحیح تعداد کا علم نہیں البتہ چند کتابیں آج بھی تشنگان شریعت و طریقت کے لیے سیرابی کا اہتمام کر رہی ہیں۔ نوعِ انسانی کے لیے چراغِ راہ ہیں ان میں اثبات النبوۃ، ردِّ روافض، رسالہ تہلیلیہ، معارف لدنیہ، مبداؑ و معاد، مکاشفاتِ غیبیہ اور شرح رباعیات جو حضرت باقی باللہ رح کی رباعیات کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے۔ ان کتب کے علاوہ امام ربانی مجدد الف ثانی رح کے مکتوبات ہیں جو فارسی زبان میں ہیں چند خطوط عربی میں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رح نے اپنی قوتِ عمل اور ان مکتوبات کے ذریعے جتنا عظیم الشان انقلاب انگیز اصلاح و تجدید کا کام انجام دیا ہے اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

آپ کے مکتوبات نہ صرف تصوف بلکہ علوم و معارف اور نکات و اسرار

کا گنجِ گرانمایہ ہے۔

وصالِ حق

وصالِ حق سے چھ سات ماہ قبل آپ خلوت گزینی اور گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے تھے۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۰۳۳ھ آپ کو ضیق النفس کا دورہ پڑا، اگرچہ یہ دورہ ہر سال ہوا کرتا تھا لیکن گزشتہ سالوں کی نسبت یہ دورہ انتہائی شدید تھا۔ آخر کار ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء بمطابق ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو آپ واصل حق ہوئے۔ وصال حق کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔

موجودہ دور کی پریشانیاں اور اُن کا حل

جہاں تک موجودہ عہد کی پریشانیوں کا تعلق ہے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ہر عہد اور ہر دور میں انسان اور پریشانی کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے، پریشانی کے تصور کا اگر منفی انداز نظر سے تجزیہ کیا جائے تو سوائے قنوطیت، مایوسی اور نامرادی کے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوگا اگر آپ اور ہم مثبت زاویہ نگاہ سے غور و فکر کرنا شروع کر دیں تو یقین کیجئے کہ پریشانی کو آپ ایک نعمت غیر مترقبہ محسوس کریں گے۔

اپنی اس "پریشانی بیانی" سے آپ چونک کیوں گئے! جی ہاں!! پریشانی ایک نعمت غیر مترقبہ اور نعمت عظمیٰ ہے؟

جب تک دریا کی موج مضطرب، بے چین اور پریشان ہے۔ زندہ ہے! اور جب یہی موج ساحل سے ہم آغوش ہوئی مردہ تصور ہوگی۔

زندگی کا دُوسرا مفہوم اضطراب مسلسل اور "پریشانی" ہے، یہ زندگی جو سراسر حرکت، حرارت اور عمل ہے۔ پریشان خاطری کا خوب صورت ردعمل ہے، یہ زندگانی جو جبر و اختیار کے سانچے میں ڈھلی ہے جسے ہم

ع شاید باید زیستن ناشاد باید زیستن

بسر کر رہے ہیں۔۔ ایک [illegible] ہے جو صعوبت تکلیف اور پریشانی سے بھرپور ہے۔

ع زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ

سکونِ خاطر اور اطمینانِ قلب تو ہمیں منزل پہ ہی جا کر ملے گا۔

ع منزلِ ما کبریاست

بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام "دُنیا ایک پُل ہے اور زندگی ایک سفر ہے" اس پُل کو ہم طوعاً و کرہاً عبور کر رہے ہیں۔ اگر پُل پر ہی دھرنا مار کر بیٹھ جائیں، براجمان ہو جائیں، نیز دنیاوی عارضی اور ناپائیدار لذتوں اور نعمتوں پر ریجھ کر رہ جائیں، تو یہ ہماری کوتاہ اندیشی اور نادانی ہو گی۔

س جس کے معنی میں بھی دنائت ہو

ایسی دُنیا سے پیار کیا معنی!

قرآنِ حکیم کی سورۃ والعصر کی روشنی میں گردشِ لیل و نہار شاہد ہے کہ صرف مادیت کا دلدادہ انسان ہمیشہ نقصان اور خسارے میں رہا ہے۔ انسانی تاریخ کے مظاہر و شواہد موجود ہیں کہ ہر وہ انسان جس کی زندگی کا کوئی نصب العین اور مقصدِ حیات نہیں ہے ہمیشہ اپنی خود غرضی، ذاتی مفاد اور خود پسندی کے سبب خسارہ اور گھاٹے میں رہا ہے۔ یہ آئے دن کی معاشرہ میں غارت گری لوٹ کھسوٹ، قتل و خون ریزی اندھیری کے روپ میں راہ زنی، آخر کس قسم کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ مادیت پرست طبیعتوں کو شاید یہ تلخ حقیقت ناگوار گزرے کہ خود غرضی، تنازع البقاء تو ہماری جبلت کا خاصا اور تقاضا

ہے۔ اس لیے جائز و ناجائز، کی پابندی اور قدغن عائد کرنے والے آپ کون ہیں؟

اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ جہاں تک تخریب اور تنازع البقاء کے فلسفۂ زندگی کا تعلق ہے اس کے ڈانڈے قانونِ تکوینی اور قانون تشریعی کی خلاف ورزی پر جا کر ملتے ہیں اور اس کے سوتے کفر و الحاد کے چشموں سے پھوٹتے ہیں، دراصل ہمارے مخاطب وہ اہل نظر ہیں جو دین اور اخلاقی قدروں کے حامل حیوانی سطح سے بلند ہو کر زندگی بسر کرنا پسند کرتے ہیں اور سرورِ کائنات، [illegible] حضرت سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر کامل یقین اور حُسن عقیدہ رکھتے ہیں۔ ؎

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

نیز آں حضرتِ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ و اسوۂ حسنہ کو اپنے لیے مشعلِ راہ تصور کرتے ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ عقل بے مایہ جس کے خمیر میں خود غرضی اور جلبِ منفعت ہے انسانیت کے قافلہ کی قیادت و امامت، کی سزاوار نہیں، اس عقل "شُتر بے مہار" کو عشق و جنون وحی الٰہی کے تابع کر دیجئے۔ آپ کی، ہم سب کی پریشانیاں کافور ہو جائیں گی، ؎

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

بظاہر انسان کا حدود اربعہ تین اجزاء ہیں، مادہ، ذہن اور روح۔ ہر ایک جزو کا علیحدہ علیحدہ وظیفہ اور تقاضا ہے، ویسے تو مجموعی حیثیت سے انسان

مختلف عناصر کا مجموعہ ہے۔ نباتات سے بھی اس کا رشتہ ہے کہ نشو و نما کی استعداد رکھتا ہے۔ جمادات سے بھی تعلق رکھتا ہے کہ بعض اوقات جمود اور تعطل کا شکار ہو جاتا ہے اور حیوانات سے بھی اس کا ناطہ ہے کہ حیوانی تقاضے اپنے اندر قدرت کاملہ کی طرف سے ودیعت رکھتا ہے۔ تاہم انسانی شخصیت کے اگر ان اجزا میں (جسم، رُوح اور ذہن) میں اعتدال پیدا ہو جائے اور سونے پر سہاگہ کے طور پر، حسن فکر و نظر اور حسنِ عمل بھی کار فرما ہیں تو اس قسم کی انفرادیت عبقری اور نابغۂ روزگار متصور ہوتی ہے۔ یہی عظیم اور غیر معمولی شخصیت بن اور نکھر کر انسانیت کے افق پر مہر درخشاں کے مانند طلوع ہوتی ہے۔

جہاں تک مادیت کے تقاضوں کا تعلق ہے ہم سب اُنھیں بخیر و خُوبی پُورا کر رہے ہیں بلکہ بڑھ چڑھ کر جائز و ناجائز ذریعوں سے ان کے حصول میں رات دن سرگرم اور کوشاں ہیں۔ ع

خرد کھوئی گئی ہے روز و شب میں

یہاں تک کہ احکام خداوندی کے حدود تک سے ہم تجاوز کرتے جا رہے ہیں اور بجائے خُدا پرستی اور نیک عملی کے "لذت پرستی" ہمارا مشرب اور مذہب بن چکا ہے۔

معاف فرمایئے گا ہم ذرا صاف گوئی سے برملا کہیں گے کہ عہد جاہلیت، قبل اسلام کے دَور میں "لات اور منات" دو بڑے مشہور بُت تھے اور آج اس روشن خیالی، کے ترقی پسند عہد میں ہم نے اپنے ہاتھوں "دو بُت" بڑی خُوب صُورتی سے تراش رکھے ہیں "دولت" اور "اقتدار" جن کی پرستش بڑی

کورنش و بجا آوری سے ہم کر رہے ہیں ۔ ؎

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

سوال یہ ہے کہ ”رُوح“ کیا ہے، کیوں کر ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ تو اِن نوعیت کے سوالوں کا جواب ”سوزِ دماغ“ ”علم و خبر اور الفاظ کی دُنیا سے دینا ناممکن ہے۔ ہاں ”سوزِ دل“ ”کشف و نظر سے اس کا جواب ہمیں موصول ہو سکتا ہے اور جو اربابِ معنیٰ کے محرمِ راز، اپنے ذوق و وجدان سے ہمیں مطمئن کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم محرومِ ازلی نہ ہوں۔

انسانی فطرت کا خاص تقاضا ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ طاقت ور اور قوی سے متاثر اور مرعوب ہوتا ہے اور خوف زدہ ہو کر اس قوت و طاقت کی پرستش کرتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنی جیسی حقیر، معمولی اور سراپا احتیاج مخلوق کی پرستش کا قلادہ اپنی گردن میں حائل کریں۔ کیوں نہ اپنے عظیم تر خدائے بزرگ و برتر خالقِ کائنات معبودِ حقیقی کی عبادت اور پرستش کریں اور دُوسرے معبودانِ باطل سے قطعی بے نیاز ہو جائیں۔

لہٰذا پریشانی کا حل اور علاج صرف رُوحِ انسانی کی تسکین ہے جو ہمیں ”ذکرِ یار“ اور ”یادِ دوست“ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے جب کہ دیدۂ بینا ہمارے حصہ میں آئی ہو! ؎

دیدہ آں باشد کہ دیدِ دوست است

اور دُوسرے الفاظ میں ؎

جز بخلوت گاہِ حق، آرام نیست

انسانی جسم میں تیسری غیر معمولی چیز ”ذہن“ ہے۔ قرآن حکیم کی دانش و حکمت

نورانی کی روشنی میں ارشاداتِ خداوندی کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ تم کھو چکے ہو، اس پر کڑھنا، پریشان ہونا اور کفِ افسوس ملنا چھوڑ دو اور جو کچھ موجودہ حالت خوش بختی و خوشحالی ہے اس پر اپنے اندر جھوٹا گھمنڈ ہرگز پیدا نہ ہونے دو۔ نیز بعض حالات میں تم اپنی ایک ناگفتہ بہ کو بزعمِ خویش اچھا تصور نہیں کرتے لیکن اس میں حکیم مطلق کی حکمتِ خاصہ کا دخل ہوتا ہے۔ مشیتِ ایزدی ہر معاملہ میں مؤثر و فعال لما یرید ہے، تاہم اس میں بھلائی اور خیر کارفرما ہوتی ہے یا اس کے برعکس۔ کیونکہ تمہارا علم اور حواس کے ذریعہ مشاہدہ ناقص اور محدود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم لا محدود ہے اس لیے ؎

جہاں دلبر دارند ۰ جہاں داشتن

اس لیے اپنے ذہن کو رجائیت، اُمید اور ایجابی تعمیری اور مثبت خیالات اور افکار سے ہمیشہ شاداب اور ترو تازہ رکھیے باور کیجیے آپ کی پریشانیاں حرفِ غلط ثابت ہوں گی۔

یاد رکھیے! نیکی علم اور نور ہے، بدی جہل اور ظلمت ہے، جب آپ نے اپنا تعلق اللہ نور السمٰوات والارض، سے استوار کر لیا اور مضبوط کر لیا تو یقیناً آپ انوار و تجلیاتِ الٰہی کے پرتو سے منور ہو کے رہیں گے اور پیکرِ علم و نور بن جائیں گے۔ ظاہر ہے جس کا دماغ علم و شعور سے روشناس ہوا اور دل نورِ بصیرت سے آشنا ہو وہ کیونکر پریشان رہ سکتا ہے۔

الغرض پریشانی، بے چینی اور اضطراب کا حتمی علاج اور مجرب نسخہ یہ عقیدہ اور ایمان ہونا چاہیے کہ

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی ربوبیت کفالت اور کارسازی کے لیے کافی نہیں ہے۔

عقل تجویز کرتی ہے اور عشق تفویض ، ہر حال میں رجوع الی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیوۂ تسلیم و رضا کو اپنا نظریہ حیات بنا لیجیے اور پریشانیوں سے ہمیشہ کے لیے نجات کی راہ اپنا لیجیے ؎

ہر حال میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ

مطبوعہ روزنامہ تعمیر راولپنڈی